نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال
ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (عثمانیہ)
لیکچرار شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

نام کتاب	نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ
© تحقیق و ترتیب	ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال
سنہ اشاعت	مئی ۱۹۸۷ء پہلا ایڈیشن
کتابت و سرورق	محمد عبدالرزاق
مطبع	دائرہ پریس ۔ چھتہ بازار حیدرآباد
قیمت	پندرہ ۱۵ روپے ۔ لائبریری ایڈیشن بیس ۲۰ روپے
تعداد	پانچ سو

[مالی اعانت اردو اکیڈیمی ۔ آندھرا پردیش ۔ حیدرآباد دکن]

:- ملنے کے پتے -:

۱. مصنف ۔ مکان نمبر 855-3-11 ملے پلی ۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی)
۲- الیاس ٹریڈرس ۔ شاہ علی بنڈہ روڈ ۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲
۳- بک ڈپو انجمن ترقی اردو ۔ اردو ہال ۔ حمایت نگر ۔ حیدرآباد
۴- مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۔ ۲۵
۵- الحاج محمد بلال 135/A, A.S. (LLOYDS) ROAD مدراس ۶۰۰۰۸۶ فون نمبر 474711

ترتیب

پیش لفظ

والیٔ ارکاٹ امیر الہند والاجاہ نواب محمد غوث خاں اعظم حیات اور کارنامے

قادر حسین جوہر حالات اور تصانیف

مثنوی اعظم نامہ ایک تعارف

اعظم نامہ کی ادبی اہمیت

صرفی تجزیہ

صوتی تجزیہ

اعظم نامہ (مثنوی)

کتابیات

حالات مصنف

نام	محمد افضل الدین اقبال قلمی نام محمد افضل اقبال
والد	مولوی محمد شرف الدین صاحب مرحوم بانی و معتمد کل ہند صنعتی نمائش حیدرآباد
تعلیم	بی۔ ایس سی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی، ڈپلوما ان عربک
ملازمت	لیکچرار اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد
سکونت	مکان نمبر 855-3-11 نیو ملے پلی حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے پی)

تصانیف

۱۔ پرنٹنگ کی کہانی (تاریخ فن طباعت)	سنہ ۱۹۶۵ء
۲۔ تذکرہ سعید (اردو انگریزی)	سنہ ۱۹۷۳ء
۳۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد اول) (آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی سے پہلا انعام پانے والی یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے ایم فل کے نصاب میں شامل ہے)	سنہ ۱۹۷۹ء
۴۔ فورٹ سینٹ جارج کالج (اترپردیش اردو اکیڈیمی کی ایوارڈ یافتہ)	سنہ ۱۹۷۹ء
۵۔ جنوبی ہند کی اردو صحافت (اترپردیش اردو اکیڈیمی اور مغربی بنگال اردو اکیڈیمی کی ایوارڈ یافتہ)	سنہ ۱۹۸۱ء
۶۔ اردو کا پہلا نثری ڈرامہ اور کیپٹن گرین آوے (اترپردیش و آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی کی ایوارڈ یافتہ)	سنہ ۱۹۸۴ء
۷۔ نواب اعظم و مثنوی اعظم نامہ	سنہ ۱۹۸۷ء
۸۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد دوم)	زیر طبع
۹۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کا سائنسی ادب	زیر طبع
۱۰۔ دجلہ اور کاروانِ زندگی	زیر طبع
۱۱۔ اردو نثر کے ارتقاء میں باقر آگاہ کا حصہ	زیر طبع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

گولکنڈہ اور بیجاپور کے سیاسی انقلاب کے بعد اہلِ علم و ادب تامل ناڈ (مدراس) کے علاقے میں منتقل ہونے لگے۔ نوابانِ ارکاٹ نے اپنے محدود وسائل سے علماء، اہلِ ہنر اور اربابِ ادب کی سرپرستی کی اور ارکاٹ کو ایک نئے دبستانِ ادب کی حیثیت عطا کردی تھی۔ اس نوبت پر اتنا اشارہ کافی ہے کہ نوابانِ ارکاٹ کے مورثِ اعلیٰ نواب انورالدین خاں تھے اور وہ گوپامیو لکھنو (اُتر پردیش) کے رہنے والے تھے۔ ان نوابانِ ارکاٹ کی علمی و ادبی خدمات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان ادبی کاوشوں کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے جو اس زمانہ میں وجود میں آئیں۔ اور جن کا تاریخ زبانِ اُردو ادب میں ایک اہم مقام ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سیدہ جعفر "دکنی نثر کا انتخاب" کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"دکنی ادب کی روایات سقوط گولکنڈہ اور زوالِ بیجاپور کے بعد بھی جنوب میں ایک عرصہ تک زندہ رہیں۔ ارکاٹ کے نوابین نے شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی اور ان کی اس علم پروری اور ادب نوازی کے باعث تامل کا علاقہ اس دَور کا ایک اہم ادبی مرکز

بن گیا۔ مدراس کے والاجاہی حکمرانوں اور بالخصوص ارکاٹ کے آخری نواب محمد غوث خاں اعظم کا عہد اُردو ادب کی نشوونما کے لحاظ سے دورِ زریں کہا جاسکتا ہے"۔

نواب محمد غوث خاں اعظم فارسی اور اُردو کے اچھے شاعر اور ادیب تھے انہوں نے چار کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں جن میں "صبح وطن" اور "گلزارِ اعظم" مشہور اور مقبول تذکرے ہیں۔ "بہارستانِ اعظم" ان کے فارسی اور اُردو کلام کا مجموعہ ہے۔ "اُردو کی ادبی تاریخ" میں پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ "نواب اعظم کے ستھرے مذاقِ سخن اور علم دوستی کے مدِنظر ان کے اطراف اچھے عالم اور سخن سنج اکٹھے ہوگئے تھے اور ان کی وجہ سے اُردو شاعری کو جو محرک نصیب ہوا تھا اس کے باعث مدراس اور اس کے دور دراز حصوں میں اُردو شاعری کا ذوق ایسا پھیل گیا تھا کہ مختلف حصوں سے صدہا شاعر اور نثر نگار پیدا ہوتے رہے"!

نواب اعظم پر مولوی نصیرالدین ہاشمی اور محمد حسین محوی صدیقی کے مضامین شائع ہوچکے ہیں لیکن پہلی بار راقم الحروف نے نواب اعظم اور ان کے عہد کی علمی، ادبی و لسانی خدمات پر پروفیسر ڈاکٹر سیدہ جعفر کی زیرِ نگرانی ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اسی مقالہ کا ایک حصہ "مدراس میں اُردو ادب کی نشوونما" کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہوچکا ہے۔ گراں قدر انعامات کے علاوہ مدراس یونیورسٹی کے ایم۔فل کے نصاب میں شامل ہوا۔ اور پاکستان کے مشہور ادبی

۔ "نقوش" لاہور کے خاص ادبی معرکے نمبر میں اس مقالہ کا ایک طویل حصہ نقل

۔ "مدراس میں اُردو کی نشو و نما" میں نواب ذوالفقار خاں کے دور سے لے کر

عظیم جاہ کے عہد یعنی (۱۶۶۲ء سے ۱۸۲۵ء) تک کا تذکرہ ہے۔ اب ارکاٹ کے

والی نواب اعظم کی حیات اور کارناموں کی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔ یہ اگرچہ

مقالے کا ایک باب ہے لیکن نظرثانی، حذف و اضافے کے بعد اسے ایک مستقل کتاب

میں شائع کیا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے ساتھ پہلی بار "اعظم نامہ" کی

اشاعت بھی عمل میں آرہی ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مثنوی نواب اعظم کے درباری شاعر قادر حسین

ترے رقلم کا نتیجہ ہے۔ اس مثنوی میں نواب اعظم کی ولادت سے وفات تک کے

بڑے موثر انداز میں نظم کئے گئے ہیں۔ اس تاریخی مثنوی سے والاجاہی عہد کے

معاشرت اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ مثنوی برادر محترم جناب صفی الدین محمد ایم۔ اے (عثمانیہ) صدر شعبۂ اُردو گورنمنٹ

، حیدرآباد کا عطیہ ہے جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون اور شکر گذار ہوں۔

اپنی شفیق و مہربان رہنما، ہمدرد استاد پروفیسر سیدہ جعفر کی خدمت میں اپنا دلی ہدیہ

ف کرتا ہوں۔ اُن کی علمی بصیرت، ادبی رہنمائی، ذوقِ عمل اور خلوص و محبت سے

بے حد فیض اٹھایا ہے۔ میں محترم ڈاکٹر محمد غوث صاحب مرحوم کو کبھی بھول نہیں سکتا

نے کتب خانہ مدرسہ محمدی دارالعلوم کتب خانہ مدراس کے گراں قدر علمی ذخیرے، قدیم

، مخطوطات اور دستاویزات سے استفادہ کا موقعہ دیا تھا۔ میں محترمہ ڈاکٹر غوث صاحبہ کا بھی

بے حد شکر گذار ہوں جنھوں نے مولوی عبدالوہاب مدارالامراء اور محمد غوث خاں بہادر کے روزنامچوں اور بیاضوں سے استفادہ کا موقعہ دیا جن سے قیمتی مواد حاصل ہوا۔ میں اپنے شفیق و مہربان چچا ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب سابق صدر شعبہ مذہب ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی کا بے حد ممنون ہوں جن کی رہنمائی اور سرپرستی مجھے ہمیشہ حاصل رہی۔ میں اپنی چھوٹی چچازاد بہن راحت ایم۔اے، ایم فل کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے مجھے جوہر کی فارسی تصانیف جو گورنمنٹ اورینٹل منسکرپٹ لائبریری مدراس کے سنہ ۱۹۸۶ء کے خاص شمارے میں شائع ہوئی تھیں روانہ کیں۔ ان ہی کی وجہ سے نواب اعظم کی تخت نشینی کی فوٹو بھی حاصل ہوئی۔ میں اپنے عزیز دوست میر احمد علی الہام واحدی ایم اے، ایم فل کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں دلچسپی لی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

میں آندھرا پردیش اُردو اکیڈمی کا بھی شکر گذار ہوں جس نے اس کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون کیا۔ آخر میں برادرم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب کا ممنون ہوں جنھوں نے بہت جلد کتابت کا خوش گوار فریضہ انجام دیا۔

محمد افضل اقبال

حیدرآباد - مئی سنہ ۱۹۸۷ء
رمضان سنہ ۱۴۰۷ھ

والیٔ ارکاٹ
امیر الہند والاجاہ نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم
حیات اور کارنامے

۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی عادل شاہی اور ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنتوں کا خاتمہ کرنے کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان کے جنوبی علاقے کی طرف توجہ کی۔ شہنشاہ عالمگیر کے جنرل نواب ذوالفقار خاں نے ۱۶۹۱ء میں کرناٹک پائین گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ علاقہ کرناٹک پائین گھاٹ میں گنٹور، نلور، مدراس، چنگل پیٹ، جنوبی ارکاٹ، بارہ محل، سیلم، کوئمبتور، شمالی ارکاٹ اور ویلور شامل تھے۔

اس صوبہ کے انتظام کے لئے عالمگیر نے ۱۶۹۲ء میں نواب

ذوالفقار خاں کو کرناٹک کا پہلا صوبہ دار (گورنر) مقرر کیا۔[1]

تسخیر کرناٹک کے دوران نواب ذوالفقار خاں نے پالار ندی کے کنارے جنگل کٹوا کر اپنے خیمے نصب کروائے تھے۔ ان کا کیمپ روز بروز ترقی کرتا گیا۔ خیموں اور جھونپڑوں کی جگہ پختہ اور سفالی مکانات نے لے لی۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے "ارکاٹ" کے نام سے یہاں ایک خاصہ بارونق شہر آباد ہو گیا۔ "تامل زبان میں "آر" کے معنیٰ ندی اور "کاٹ" کا مفہوم جنگل ہے۔ چونکہ ندی کے کنارے جنگل قطع کر کے کیمپ نصب کیے گئے تھے اس لئے یہ شہر ارکاٹ کے نام سے موسوم ہوا[2]۔ اور اس شہر کو صوبہ دار کرناٹک کے مستقر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

۱۷۰۳ء میں نواب ذوالفقار خاں کو شہنشاہ عالمگیر نے دہلی طلب کر لیا۔ اور ان کی جگہ نواب داؤد خاں پنی کرناٹک کے صوبہ دار مقرر کیے گئے لیکن ۱۷۱۰ء میں مغل شہنشاہ بہادر شاہ اوّل نے انھیں بھی دہلی طلب کر لیا۔ نواب داؤد خاں کے دہلی چلے جانے پر اُن کے

---

[1] نواب ذوالفقار خاں سے نواب اعظم جاہ تک تمام نوابانِ ارکاٹ کے تفصیلی تذکرہ کے لئے راقم الحروف کا مقالہ "مدراس میں اردو ادب کی نشوونما" ملاحظہ ہو۔

[2] برہان خاں ہانڈی: توزک والاجاہی صفحہ ۶۸ مطبوعہ مدراس

دیوان نواب سعادت اللہ خاں کرناٹک کے صوبہ دار مقرر ہوئے ۔ ان ہی سے کرناٹک میں " خاندانِ نوایط " کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اس خاندان کی حکومت ۱۷۱۰ء سے ۱۷۴۳ء تک قائم رہی ۔ ۱۷۴۴ء میں نواب انور الدین خاں کرناٹک کے ناظم (صوبہ دار) مقرر ہوئے ۔ نوابانِ ارکاٹ کا " خاندان والا جاہی " ان ہی سے شروع ہوتا ہے ۔ ان کے خاندان نے کرناٹک میں ۱۷۴۴ء سے ۱۸۰۱ء تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور پھر ۱۸۰۱ء میں نواب عمدۃ الامراء غلام حسین خاں بہادر ممتاز کے انتقال پر گورنر مدراس نے ان کے جانشین نواب تاج الامراء علی حسین خاں بہادر ماجد کے سامنے یہ شرطیں پیش کیں کہ کرناٹک کا نظم و نسق ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیں ۔ اور اس کے معاوضے میں کمپنی وظیفہ مقرر کر دے گی ۔ اگر وہ حقوقِ ملک سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جائیں تو ان کی جانشینی کو کمپنی تسلیم کرے گی ۔ لیکن نواب تاج الامراء نے ان شرطوں کو ماننے سے انکار کر دیا جس پر اُن کے چچا زاد بھائی نواب عظیم الدولہ عبد العلی خاں بہادر سے انگریزوں نے سالانہ بارہ لاکھ روپئے اور پنجم حصہ آمدنی پر معاملات طے کر لئے اور

اس طرح اس معاہدہ کی رو سے کرناٹک کا سارا فوجی اور دیوانی انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت آگیا اور نواب عظیم الدولہ ۱۹ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ مطابق ۳۱ جولائی ۱۸۰۱ء کو کرناٹک کے پہلے وظیفہ یاب نواب کی حیثیت سے مسند نشین ہوئے[۱]

نواب عظیم الدولہ اٹھارہ سال تک کرناٹک کے اعزازی نواب رہے۔ انھوں نے آسودہ، مطمئن اور خاموش زندگی بسر کی۔ ۱۰ شوال ۱۲۳۴ھ مطابق ۳ اگسٹ ۱۸۱۹ء میں نواب عظیم الدولہ کے انتقال پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرناٹک کی برائے نام نوابی کی موروثی حیثیت کو بھی ختم کر دینا چاہا کیونکہ ۳۱ جولائی ۱۸۰۱ء میں جو معاہدہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب عظیم الدولہ کے درمیان طے ہوا تھا اس میں کرناٹک کی نوابی کی موروثی حیثیت کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ کمپنی نے محض اپنی مہربانی سے نواب عظیم الدولہ کی وفات کے چھ ماہ بعد ۳ فروری ۱۸۲۰ء کو ان کے بڑے فرزند نواب محمد منور خاں اعظم جاہ کو ان کا جانشین

---

[۱] ایسٹ انڈیا کمپنی اور نواب عظیم الدولہ کے درمیان جو عہدنامہ ہوا اس کی نقل "سوانحات ممتاز" (فارسی) میں صفحہ ۳۱۶ - ۳۱۱ پر ملاحظہ ہو۔

اور کرناٹک کا اعزازی نواب تسلیم کیا.

نواب محمد غوث خاں بہادر کی ولادت

نواب محمد منور خاں اعظم جاہ بہادر کی شادی حیدر آباد کے ایک امیر کبیر نواب ابوالفخر خاں ضیاء الدولہ بہادر کی صاحبزادی نواب عنایت النساء بیگم سے ۲۶ / رمضان ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۰ / جولائی ۱۸۱۷ء کو بڑے تزک و احتشام سے انجام پائی تھی۔ شادی کے سات سال بعد ۲۹ / ذی الحجہ ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۸ / جولائی ۱۸۲۴ء بہ روز چہار شنبہ دس بجے دن نواب محمد غوث خاں بہادر پیدا ہوئے[1]

نواب محمد غوث خاں بہادر کی پیدائش پر بڑی خوشیاں منائی گئیں. روپیہ، پیسہ، خلعتیں اور دوشالے تقسیم ہوئے. راگ رنگ کی محفلیں منعقد ہوئیں. اسی طرح چھٹی اور چھلے کی رسمیں بھی بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوئیں. ان رسموں میں سیم و زر نچھاور کیا گیا اور

---

[1] نواب محمد غوث خاں اعظم : گلزار اعظم صفحہ ۶۳

دوشالے تقسیم ہوئے ۔ قادر حسین جوہر نے "اعظم نامہ" میں اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جو اس کتاب میں موجود ہے ۔

نام و نسب

تذکرہ "گلزارِ اعظم" میں نواب محمد غوث خاں نے اپنا اصل نام محمد غوث بتایا ہے ۔ انھیں امیر الہند والا جاہ عمدۃ الامراء مختار الملک عظیم الدولہ نواب محمد غوث خاں بہادر شہامت جنگ کے خطابات حاصل تھے [1] تذکرہ "حدیقۃ المرام" اور "سخنوران بلند فکر" کے علاوہ مثنوی "اعظم نامہ" میں نام "نواب محمد غوث خاں بہادر" تحریر ہے ۔ مدراس کا مشہور اخبار 'جامع الاخبار' جو نواب ممدوح کا سخت مخالف تھا انھیں ہمیشہ "غلام محمد غوث خاں بہادر" لکھا کرتا تھا ۔

نواب محمد غوث خاں نسباً فاروقی تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے بتیس ۳۲ واسطوں سے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضؓ تک اور والدہ کی جانب

---

[1] تذکرہ گلزارِ اعظم صفحہ ۶۲

سے چھبیس[۲۶] واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔[۱]

تخت نشینی

نواب محمد غوث خاں بہادر کی ولادت کے ڈیڑھ سال بعد ان کے والد نواب اعظم جاہ بہادر عین نوجوانی میں جب کہ اُن کی عمر صرف ۴۳ سال تھی ۳۰ ربیع الاول ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۸۲۵ء کو سنگِ مثانہ کے عارضہ کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ انگریز حکام نے ان کے چہلم کے دوسرے روز یعنی ۱۳ جمادی الاول ۱۲۴۱ھ مطابق ۲۳ ڈسمبر ۱۸۲۵ء کو ان کے اکلوتے ڈیڑھ سالہ فرزند نواب محمد غوث خاں بہادر کو تخت نشین کیا۔ نواب موصوف کے حقیقی چچا نواب عظیم جاہ سراج الامراء عمدۃ الملک اسد الدولہ حافظ غلام محمد علی خاں بہادر ذوالفقار جنگ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے سترہ سال تک کے لئے ریاست کے نائب مختار مقرر کئے گئے۔ محمد خاں عالم خاں تہور جنگ نے نواب عظیم جاہ بہادر کی "تاریخ

---

[۱] تذکرہ گلزارِ اعظم صفحہ ۶۳

نیابت ان کے خطاب عظیم جاہ بہادر سے نکالی ہے جس سے ۱۲۴۱ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ نیز مادۂ تاریخ لفظِ مختار (۱۲۴۱) سے بھی برآمد ہوتا ہے [1]

رسمِ ختنہ

چار سال کی عمر میں نواب محمد غوث خاں کے ختنہ کی مذہبی رسم ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں انجام پائی۔ مشہور شاعر محمد تاج الدین بہجت نے حسبِ ذیل مصرعہ تاریخ کیا تھا ؎

برآمد رندگل از شمع کافور [2]

۱۲۴۲ھ

رسمِ بسم اللہ

نواب محمد غوث خاں بہادر کی رسمِ بسم اللہ ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۲۷ء

---

[1] خیر الدین خاں ۔ احساسِ ریاستِ کرناٹک ۔ صفحہ ۳۲ مطبوعہ حیدرآباد

[2] نواب محمد غوث خاں صبحِ وطن صفحہ ۲۶ مطبوعہ مدراس

ییں انجام پائی تھی ۔ اس موقعہ پر ایک عظیم الشان جشن کا خاص اہتمام کیا گیا تھا ۔ کلس محل کلاں میں جہاں بسم اللہ کی تقریب منعقد ہوئی تھی مخملی فرش کیا گیا تھا ۔ رنگ برنگ کی قنادیل آویزاں کی گئی تھیں ۔ دیوان خانہ کے روبرو سرخ باناتی سائباں نصب کیا گیا تھا اور دیوان خانہ میں تختِ زرین بچھا کر اُسے شامیانہ سے زینت دی گئی تھی ۔ اس تقریب کے موقعہ پر اہلِ قرابت اور ارکان داعیان سلطنت کو خطابات اور جواہرات کے علاوہ رنگ برنگ کے دوشالوں سے سرفراز کیا گیا اور مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات ہوئی ۔ مورخ "سوانحات ممتاز" کا بیان ہے کہ تقریب بسم اللہ میں ہزارہا عالم جمع ہوئے تھے ۔ شادی محل میں اہلِ قرابت کی بی بیاں جمع تھیں اور دیوان خانہ باغ میں تین چار روز تک ضیافت کی ۔ مجلس اور محفل طرب منعقد ہوتی رہی ۔ اس خوشی میں آتش بازی کا بطورِ خاص انتظام کیا گیا تھا[1] میر خورشید حسن موسوی نے جو مورخ "سوانحات ممتاز" کے رفیق تھے ۔ اس موقعہ پہ یہ

---

[1] محمد کریم خیر الدین ۔ سوانحات ممتاز صفحہ ۲۳۳ مطبوعہ مدراس ۱۹۶۱ء

دعائیہ غزل کہی تھی ؎

جب کہ نواب زماں منہ سے کہا بسم اللہ
تب ہوئی چنگ و دف و نے سے صدا بسم اللہ

بلبلانِ چمن فرح لگے ہونے نثار
غنچہ لب اس کا جو پڑھنے کو کھلا بسم اللہ

عندلیبانِ گلستانِ مسرت بولے
واہ کیا صاف پڑھا نامِ خدا بسم اللہ

کہتے ہیں پیر و جواں خورد و کلاں از سر ناز
چشم بد دور کہاں ایسا ہوا بسم اللہ

ہوی مقبول یہ خورشیدِ حسن سے یارب
جو دعا کہتا ہے کہہ کہہ کے صدا بسم اللہ

سایہ میں جدہ و مادر و چچا کے اس کے
اس کی اولاد کا تو اس کو دکھا بسم اللہ

ہے صلہ اس کا دوشالہ و گہر خلعت و زر
پر جو تو چھتا ہے فی الوقت دلا بسم اللہ[1]

---

[1] سوانحات ممتاز صفحہ ۲۲۵

تعلیم و تربیت

نواب محمد غوث خاں کی بسم اللہ کے بعد ان کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ حافظ محمد ملکی اور ان کے فرزند حافظ عبدالولی سے قرآن مجید ختم کیا پھر فارسی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں غلام محی الدین خوشنویس اور ان کے فرزند مولوی جلال الدین حسین خاں سے پڑھیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد سید ابو طیب خاں والا سے بوستاں، انشاء خلیفہ، زلیخا، گلشن سعادت، سہ نثر ظہوری، پنج رقعہ، مینا بازار، رسائل طغراء مشہدی، انشاء بیدل، انشاء نعمت خاں عالی، مثنوی سکندر نامہ، مثنوی راسخ، اخلاق جلالی، دیوان منظہر، دیوان غنی، دیوان ناصر علی سرہندی اور دیوان اسیر جیسی کتابیں ختم کیں۔ آزاد بلگرامی کے عربی دیوان اور علم عروض کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں۔ فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کی جانب توجہ کی۔ شرح ملا جامی تک ابتدائی کتابیں مولوی جمال الدین احمد فرنگی محلی سے پڑھیں۔ عقاید، فقہ اور حدیث کی کتابیں بقدر ضرورت

قاضی بدرالدولہ اور مولانا قاضی ارتضیٰ علی خاں سے پڑھیں۔ عربی اور فارسی خط کی مشق بھی کی تھی۔ اس فن کو بھی اس کے باکمالوں جیسے عنایت حسین خاں وغیرہ سے سیکھا تھا[1]۔ ۶ رشوال ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء کو مولوی محمد عبدالوہاب مدارالامراء[2] نواب محمد غوث خاں کی تعلیم و تدریس کے لئے مقرر کئے گئے۔ انھوں نے نواب موصوف کو ریاضی کی تعلیم دی تھی[3]۔ سترہ سال کی عمر میں تکمیل تعلیم کے بعد مشقِ سخن کا سلسلہ شروع کر دیا۔

جلوس

نواب محمد غوث خاں بہادر کے جلوس کی تقریب ۱۷ رجب ۱۲۵۸ھ م ۲۵ اگسٹ ۱۸۴۲ء کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئی۔ گورنر مدراس لارڈ الفنسٹن LORD ELPHINSTONE بھی اس تقریب میں شریک تھے۔ مثنوی "اعظم نامہ" میں نواب محمد غوث خاں کے جلوس کی بڑی اچھی تصویر پیش کی گئی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ ۱۷ رجب ۱۲۵۸ھ میں جب نواب موصوف تخت پر بیٹھے اس وقت

---

[1] گلزار اعظم صفحہ ۶۴-۶۵

[2] یوسف کوکن: خانوادہ قاضی بدرالدولہ ص ۲۷۸

ریاست کے جملہ فرقوں کے لوگ سلطنت کے تمام امراء[1] انگریز عہدہ داروں کے علاوہ خود لارڈ الفنسٹن گورنر مدراس بھی جشن میں شریک ہوئے تھے۔ اس دن صبح دس بجے جو شاندار دعوت ہوئی اس کی پوری تفصیل بھی مثنوی میں موجود ہے۔ جب دن گذرا رات اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی تو محل پر خوب روشنی کی گئی۔ ناچ گانے اور راگ اور رنگ کی محفل منعقد ہوئی جس میں انگریز خواتین بھی خوشی سے ناچنے لگی تھیں۔ مثنوی "اعظم نامہ" میں اس جشن کی مکمل تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ مدراس کے ایک اور مشہور شاعر لطیف ارکاٹی نے بھی اس جشن جلوس کے موقعہ پر ایک نظم کہی تھی۔ اس کے کچھ شعر یہ ہیں ؎

خوشی مسرت جہاں میں جشن جلوسِ عالی کی کیا کہوں میں
کہ جس مسرت سے کر رہی ہے چمن میں بلبل نغمہ سرائی

الٰہی قایم رہے جہاں میں ہمیشہ یہ تخت و تاج دولت
کرم سے مرغ دعا کو میرے دے عرشِ عالی تلک رسائی

یہ وہ خوشی ہے ارے عزیزو کہ جس کے دفع نظر کے خاطر
سپند[2] انجم نثار کرنے کو صبح دولت چمن میں آئی

[1] کلمہ تحقیر ۔ [2] کالا دانہ جس کو نظر بد کے دفع کے لئے جلاتے ہیں

الٰہی آباد رکھ جہاں میں نواب غوث خاں کو
کہ جس کے اقبالِ انوری سے ہے دینِ احمد کی روشنائی
ندائے جشنِ جلوس یُمن کہ ہر ایک مومن دعا کے خاطر
بکمالِ فرحت سے کر رہا ہے جناب باری میں جبہ سائی[1]

فیّاضی

نواب غوث خاں اپنے وقت کے حاتم تھے۔ ان کے دروازے سے کوئی محروم نہیں لوٹتا تھا۔ آمدنی ناکافی تھی۔ ساہوکاروں کے ہمیشہ قرض دار رہے۔ لاکھوں کا قرض تھا۔ والاجاہی خاندان کے ایک معزز فرد پروفیسر محبوب پاشا صاحب نے نواب محمد غوث خاں کی فیاضی اور سخاوت کا ایک قصہ راقم الحروف کو بتایا ــــ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن نواب موصوف کے حقہ بردار نے نواب صاحب سے کہا "سرکار! میں نے ایک لاکھ روپے نہیں دیکھے"۔ نواب صاحب نے کہا "اچھا! پہلی تاریخ کو جب کمپنی سے رقم آئے گی، دکھاؤں گا"۔ جب رقم آئی حقہ بردار کو طلب کیا اور کہا دیکھ یہ ہیں ایک لاکھ ــــ حقہ بردار نے جھک کر نواب محمد غوث خاں بہادر

[1] ملاحظہ ہو دیوان لطیف از عبداللطیف لطیف ارکاٹی مطبوعہ مطبع فردوسی مدراس ۱۸۶۶ء

کو سلام کیا۔ نواب موصوف نے یہ سمجھا کہ شاید اس نے یہ خیال کیا کہ رقم اُسے دے دی گئی ہو جب ہی تو یہ اتنا خوش نظر آ رہا ہے۔ نواب صاحب نے کہا "اچھا لے جا"۔ کہتے ہیں گھر پہنچنے تک خوشی سے حقہ بردار مر گیا۔ اس کے وارثوں نے اس کی قبر پر ایک مقبرہ بنا دیا۔ یہاں اب امیر النساء بیگم کا مقبرہ ہے۔ یہ علاقہ اب راما راؤ کا باغ کہلاتا ہے۔ وہیں "ایک لاکھ کا انڈیا" (گنبد) بھی ہے۔ پروفیسر محبوب پاشا کا بیان ہے کہ ان کے بچپن تک بھی یہ مقبرہ اسی نام سے موسوم تھا۔ لیکن اب یہ نام مفقود ہو گیا ہے۔

مدراس کے مشہور شاعر محمد علی اُلفت نے اپنی مثنوی "گلزارِ اعظم" کی ابتداء میں نواب محمد غوث خاں کی بڑی تعریف کی ہے۔ نواب ممدوح کی فیاضی کا ذکر الفت ان اشعار میں کرتے ہیں ؎

جہاں اس کو بولے ہے نواب خاں — نہیں بلکہ ہے وہ رئیسِ جہاں
امیر و فقیر اس کی دہلیز پر — بہ جاں ہیں کھڑے سارے بستہ کمر
مبارک جو ایام ہولیے یہ آئیے — سخی ایسا ہم حاکم وقت پائیے
تر و تازہ باغِ سخا کو کیا — طراوت ریاضِ عطا کو دیا

اگر آوے دینے پہ اس کا مزاج — بدل دے کلاہِ فقیری پہ تاج
یہ کچھ اُس کا پاکیزہ دستور ہے — رفاہیتِ خلق منظور ہے
اُسی کمی ہے داد دہش برقرار — لیا ایک چاہا سو لاکھوں ہزار
اُسی کی کرامت سے ہے بالیقین — جو محتاج کوئی کسی کا نہیں [1]

بمبئی کے مشہور دکنی شاعر غلام علی علیؔ نے "تحفۂ اعظم" کے نام سے ایک ضخیم مثنوی ۱۲۶۲ھ میں نظم کی تھی۔ اور اُسے نواب غوث خاں کے نام سے منسوب کر کے بہ ذاتِ خود نواب موصوف کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کے صلے میں وہ کافی انعام و اکرام سے نوازے گئے تھے [2]۔ اس مثنوی میں علیؔ نے نواب اعظم کی سخاوت کی بڑی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ ہر محلے اور ہر شہر میں ان کی فیاضی اور غرباء پروری کے چرچے تھے ؂

وہ ہے کون نواب گیتی ستان — خداوندِ جاہ و حشم غوث خاں
ہے مدراس زیرِ نگیں اس کے سب — کہ مشہور ہے دارِ علم و ادب

---

[1] محمد علی الفتؔ: مثنوی گلزار اعظم (قلمی) اورینٹل منسکرپٹ لائبریری حیدرآباد نمبر ۱۳۰ مثنوی۔

[2] ڈاکٹر میمونہ دلوی: بمبئی میں اردو صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۰ء

یہ ممدوح کی اس کے توصیف ہے کہ اک دن دوشالے دیے سات سے
اس کا بخشش کا ہے یہ مدار کہ ایک دن میں بخشے خزانے ہزار
محلے محلے کسی کا ہے نام پہ ہر شہر تک اسی کا ہے فیض عام
یہ وہ ہے سخی ہیں سخی جس کے گرد ہے نام اس کا جان کریموں کا ورد
کروں اس کی بخشش کہاں تک رقم ہے حاتم کا دل جس کے زیر قدم[1]

نواب اعظم اپنے استاد سید ابو طیب خاں والا کے بڑے قدر داں تھے. اور ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک بار نواب اعظم نے ان کو از راہ قدردانی چاندی سے تلوا کر سب چاندی انھیں کو بخش دی۔ یہ بڑے لحیم و شحیم آدمی تھے۔ ان کا وزن آٹھ ہزار روپیہ عالم گیری سے کچھ زیادہ ہی ہوا تھا[2]۔ مثنوی "اعظم نامہ" میں بھی جوہر نے نواب محمد غوث خاں اعظم کی سخاوت اور فیاضی کی بڑی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ نواب اعظم کی سخاوت و فیاضی کی اتنی شہرت تھی کہ دور دور سے لوگ ان کے دربار میں حاضر ہوتے

---

[1] غلام علی علیؔ : مثنوی تحفہ اعظم (قلمی) کتب خانہ عثمانیہ یونیورسٹی

[2] سید مرتضیٰ بینش : اشارات بینش صفحہ ۱۸۱

اور اپنا دامن بھر لیتے تھے . ان کا فیض عام تھا . ادنیٰ و اعلیٰ سب ہی ان کی سخاوت و داد و دہش کی وجہ سے ہمیشہ فیض یاب ہوئے .

مشغلے اور دلچسپیاں

نواب محمد غوث خاں اعظمؔ کے مشغلوں اور ان کی دلچسپیوں کے تعلق سے پروفیسر عبدالقادر سروری کا بیان ہے :

" محمد غوث خاں کی طبیعت میں آخری والیٔ اودھ کی سی رنگا رنگی تھی اور ان کی دلچسپیاں وسیع تھیں لیکن ان کی فضاء تنگ تھی۔ نئے نئے کھانے ایجاد کرنے کا انھیں شوق تھا . رنگ بعض لوگوں کے لئے طرح طرح کی کشش رکھتے ہیں . کہتے ہیں محمد غوث خاں کو رنگریزی کا بھی شوق تھا . کبھی وہ مناظروں میں حصہ لیتے تو کبھی مشاعروں میں دلچسپی کا اظہار کرتے . انھوں نے تعلیم کی اشاعت اور ترقی کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا تھا جو مدرسہ اعظم کے نام سے موسوم تھا [1]

---

[1] عبدالقادر سروری : اُردو کی ادبی تاریخ صفحہ ۲۱۵ - ۲۱۶ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۸ء

نواب اعظم کی دوسری بہت سی دلچسپیاں تھیں۔ ان کے دن رات کے مشغلوں اور ان کی ذاتی دلچسپیوں کے تذکرے اس وقت کے مشہور اخباروں جیسے جامع الاخبار اور اعظم الاخبار میں موجود ہیں۔

شکارخانہ کی تعمیر

نواب اعظم نے ایک شکارخانہ تعمیر کروایا تھا۔ شکارخانے کے قابل جانور لانے والوں کو دوگنی اُجرت دی جاتی تھی۔ اعظم الاخبار میں اس سلسلے میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی تھی:

"ہم سنتے ہیں کہ ان دنوں مزاج مبارک جناب بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کا شکارخانہ تیار کروانے کی طرف مایل ہوا ہے جو لوگ کہ اس شکارخانے کے قابل جانور لادینگے البتہ ان کی محنت سے مضاعف (دوگنی) اُجرت پاوینگے"[1]

علم ولادت سے دلچسپی

نواب محمد غوث خاں بہادر نے چار عورتوں کو مدراس کے مشہور

---

[1] اعظم الاخبار نمبر ۳۸ جلد ۴ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۵۱ء

ڈاکٹر اسکاٹ کے طبابت خانے روانہ کیا تھا۔ تاکہ وہ فنِ ولادت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اخراجات ضروری کی منظوری انھوں نے اپنی جیب خاص سے دی تھی۔ "اعظم الاخبار" نے اس واقعہ کی اطلاع سرکیولیٹر کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

"سرکیولیٹر میں لکھا ہے کہ حضور پرنور نے چار عورتوں کو ڈاکٹر اسکاٹ کے طبابت خانے (HOSPITAL) میں روانہ فرمایا تاکہ یہ قبالت یعنی جنانے کے فنون اچھی طرح سیکھ جاویں۔ اخراجات ضروری بھی جیبِ خاص سے مقرر ہو چکے اب بطفیل حضور کے تھوڑے دنوں میں یہ عورتیں لائق ہو نکلیں" [1]

ریس کا شوق

مدراس میں سال میں ایک بار گھوڑوں کی ریس (گھوڑ دوڑ) ہوتی تھی جس میں نہ صرف شہر کے امراء بلکہ غرباء بھی تماشا دیکھنے جمع ہوتے تھے۔ نواب محمد غوث خاں بہادر بھی اپنی بیگمات کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب موصوف کی اس حرکت پر اعتراض کرتے ہوئے مدراس

---

[1] اعظم الاخبار نمبر ۲۶ جلد ۵ مورخہ ۱۲ رفروری ۱۸۵۲ء

کے 'جامع الاخبار' نے ایک سخت اداریہ لکھا تھا جو اس کی جلد ۱۲ نمبر ۲ مورخہ یکم نومبر ۱۸۵۱ء کو شائع ہوا تھا۔

شعبدہ بازی کا شوق

نواب محمد غوث خاں کی خدمت میں فرانسیسی شعبدہ بازوں نے باریاب ہو کر انواع و اقسام کے شعبدے بتائے تھے۔ جنھیں نواب موصوف نے بے حد پسند کیا اور اپنی سرکار میں ملازم رکھ کر چند اردلیوں (ORDERLY) کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے سپرد کر دیا تھا۔ 'اعظم الاخبار' میں اس واقعہ کی تفصیل یوں شائع ہوئی تھی:

"یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے رئیسِ نامدار کا مزاج روشن جس فن کی طرف مائل ہو سو آخر اسکو کمال کو پہنچائے لگ (تک) دوسری جانب ملتفت نہیں ہوتا۔ چنانچہ کئی صنائع و کمال اسی طرح حاصل فرما کر آپ مجمع الکمال بن نکلا۔ ان دنوں چند فرانسیسی شعبدہ باز (JUGGLERS) حضور میں باریاب ہو کے انواع و اقسام کے شعبدے بتلا ہزاروں روپے سے سرفراز ہوتے تھے۔ بارے حضور کو وہ بھی خیال ہوا کہ اس شعبدے باز کو سرکار میں نوکر رکھ کے چند آردلیوں کو تعلیم و تربیت کے لیے اسکے ذمے

کردیئے" تھوڑے دن نہیں گذرے کہ وے لوگ سارے شعبدے اُس کے سیکھ جاکے اس فن میں کامل ہوچکے از انجملہ مجید خاں نامی آردلی اس فن میں اپنے اُستاد کا ہم پہلو ہوا - چنانچہ منگل کی شب " رشک آرم " اُس کی تماشا سازی کی محفل آراستہ تھی سو وہاں گورنمنٹ اجنٹ بھی تشریف لائے تھے اس شب بنیل تماشے ہوئے سب لوگ اس تماشے کو دیکھنے سے حیران ہوگئے "

" اعظم الاخبار " آگے چل کر لکھا تھا :

" اب سنتے ہیں کہ اس فرانسیسی استاد کو حضور سے دو ہزار روپئے اور دوشالے دو زرین دوپٹے انعام ملے اور رخصت بھی ہوئی " [1]

مولوی صفی الدین کا بیان ہے کہ نواب اعظم کو سرکس دیکھنے کا بڑا شوق تھا . سرکس میں ورزش کرنے والے بچوں کے لئے بنارسی کمخواب کا زرین اور ریشمی لباس بنایا گیا تھا " [2]

---

[1] اعظم الاخبار نمبر ۱۷ جلد ۵ مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۵۲ء

[2] صفی الدین : تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۵ مطبوعہ دارالطبع سرکار عالی ۱۳۶۸ھ

پتنگ بازی اور آتش بازی کا شوق

نواب محمد غوث خاں بہادر زمانہ طفلی میں مسند نشین ہوئے تھے۔ بچپن اور کم عمری کی وجہ سے لہو لعب کی طرف بہت زیادہ مائل تھے۔ بچپن اور عنفوان شباب میں انھوں نے پتنگ بازی میں بہت سارا روپیہ صرف کیا۔ اس کے علاوہ آتش بازی کے مظاہروں سے بھی وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ آتش بازی میں مختلف رنگ پیدا کرنا اس زمانے میں مروج نہیں تھا۔ انھوں نے اس کی ایجاد میں بہت سارا روپیہ خرچ کیا۔[۱]

عمدہ کھانوں کی ایجاد

نواب محمد غوث خاں اعظم کے ندیم خاص و میر بخشی فوج نواب قادر مرتضیٰ حسین سالار الملک کے فرزند مولوی صفی الدین جو دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ناظر مذہبی تھے بیان کرتے ہیں کہ نواب محمد غوث خاں بہادر نے عمدہ کھانے اچار، مربہ، مٹھائیاں بنانے کے لئے نئے آلات اور ظروف ایجاد کروائے۔[۲]

انھیں عمدہ اور بامزہ غذا بہت مرغوب تھی۔ ان کے مطبخ کے خاص کھانے

۱،۲ صفی الدین: تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۵ مطبوعہ دار الطبع سرکار عالی ۱۳۶۸ھ

بے نظیر ہوتے تھے۔ کھانا تیار کرنے کے طریقوں میں نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے اُنھیں خاص دلچسپی تھی۔ ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے موجود رہتے اور ان میں بعض ایسے تھے جو صرف مدراس کے نواب کے باورچی خانے میں تیار کئے جاتے تھے۔ اور اس کے لئے کثیر رقم صرف کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ انھیں کپڑوں کو رنگ دینے میں بھی مہارت تھی۔ اس سلسلے میں بہت سی ایجادیں ان سے منسوب ہیں۔ مختصر یہ کہ نواب محمد غوث خاں اعظم کی گوناگوں دلچسپیاں اور ان کے اسراف کے قصے اُس وقت مدراس میں خاص و عام تھے۔

چاندی کا تخت

نواب محمد غوث خاں بہادر نے اپنے جلوس کے لئے چاندی کا نفیس تخت بنوایا تھا۔ ان کے حکم سے عمدہ عمدہ گاڑیاں بھی بنائی گئیں تھیں۔ جن میں بارہ گھوڑے جوتے جاتے تھے[1]

ولایتی سامان اور عمدہ کوٹھیوں کی خریدی

نواب محمد غوث خاں بہادر یوروپین سوداگروں کے ذریعے سے مختلف

---

[1] مولوی صفی الدین: تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۵

اقسام کا ولایتی سامان خرید اکرتے تھے۔ اس کے علاوہ یوروپین تجار مدراس میں عمدہ کوٹھیاں بنواتے اور یہاں سے جاتے وقت فروخت کر دیتے تھے۔ نواب صاحب نے اس قسم کی کئی کوٹھیاں خریدی تھیں۔[1]

میلاد النبی و نیاز پیرانِ پیر

نواب محمد غوث خاں بہادر کو اولیاء کرام سے بڑی عقیدت تھی۔ خاص کر میلاد النبی یا ربیع الاول کے بارہ وفات اور ربیع الثانی کی گیارہویں نیاز پیرانِ پیر بہت اہتمام سے کیا کرتے تھے۔ اس موقع پر دربار میں دعوتِ عام کا اہتمام کیا جاتا، جشن منعقد کیے جاتے اور نعتیہ و منقبتہ قصاید اور نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔ ربیع الثانی کی تقاریب کے سلسلے میں "جامع الاخبار" مدراس نے ایک اطلاع شائع کی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی فاتحہ کی تقریب بڑے کروفر کے ساتھ نواب محمد غوث خاں بہادر رئیسِ کرناٹک کے کلس محل میں انجام دی جاتی تھی۔ انواع و اقسام کی نعمتیں تیار کروائی جاتیں اور غریب امیر اس سے مستفید ہوتے۔ اسی اخبار

---

[1] مولوی صفی الدین : تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۵

نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ربیع الاول کے مہینے کی تقاریب کا بھی اسی طرح اہتمام کیا جاتا تھا ۔ نواب اعظم عادت آبائی کے موافق حدیث شریف کی مجالس آراستہ کرواتے اور خود ان محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے[1]

عید کی مصروفیات

مدراس کے اخبارات خصوصاً اعظم الاخبار، جامع الاخبار، تیسیر الاخبار وغیرہ نواب اعظم کی عید کی مصروفیات اور ان کا پروگرام شائع کیا کرتے تھے ۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے روز علی الصبح چیپاک کے بڑے باغ سے اکیس[۲۱] توپ سر ہوتی تھیں ۔ نواب اعظم ہر سال عید کے موقعوں پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ کبھی ہاتھی کی عماری پر اور کبھی گھوڑوں کی گاڑی میں جس کے آگے پیچھے مسلح باڈی گارڈ ہوتے، مسجد والا جاہی تشریف لاتے تھے ۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد "ہمایوں محل" میں رونق افروز ہوتے، تخت مبارک پر جلوس فرماتے اور اہل دربار، معزز امراء اور دوسرے مستحق افراد کو خطاب، پالکی اور نوبت سے سرفراز کرتے تھے[2]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جامع الاخبار نمبر ۱۵ جلد ۱۳ مورخہ ۱۶ ر جنوری سنہ ۱۸۵۴ء

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں جامع الاخبار نمبر ۳۹ جلد ۱۳ مورخہ ۳ ر جولائی سنہ ۱۸۵۴ء نیز اعظم الاخبار نمبر ۳۹ جلد ۵ مورخہ ۲۲ ر جولائی سنہ ۱۸۵۲ء اور تیسیر الاخبار مورخہ ۲ ر اکتوبر سنہ ۱۸۵۲ء

سال گرہ ہمایونی

نواب اعظم کی سال گرہ کی تقاریب بھی ہر سال بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھیں۔ مدراس کے اخبارات سال گرہ تقاریب کی رودادیں شائع کیا کرتے تھے جن سے معلوم ہوتا ہے سال گرہ کے روز نو بجے سب لوگ جشن کی دعوت میں شرکت کرنے کیلئے "ہمایوں محل" میں جمع ہوتے تھے۔ نواب اعظم گیارہ بجے کے قریب تشریف لاتے۔ تختِ مبارک پر جلوس فرماتے "خطابات عطا ہوتے" پھر اراکین دربار قانون کے مطابق نذر گذرانتے۔ مجلسِ ضیافت آراستہ ہوتی۔ اعظم الاخبار "رئیسِ نامدار" و "فرماں روائے عالی اقتدار" کی عمر و اقبال میں برکت کی دعا کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایک جہاں کی سرفرازی ان ہی کی ذات سے متعلق ہے[1]

انگریز مورخوں کے اعتراضات

سر ولیم ہنٹر نے اپنی مشہور تصنیف " مارکویس آف ڈلہوزی" میں نواب محمد غوث خاں بہادر اور ان کے اہلِ خاندان اور اہلِ دربار پر سنگین الزامات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اعظم الاخبار نمبر ۱۶ جلد ۵ مورخہ ۱۲ر فروری ۱۸۵۲ء

لگائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

۱: نواب اعظم نے نہایت شرمناک زندگی گذاری۔ طوائفوں کی صحبت نے انھیں کہیں کا نہیں رکھا تھا۔

۲: ان کا دربار ذلیل ترین حرکات کا منبع بنا ہوا تھا۔

۳: نواب اعظم اور ان کے خاندان نے اپنے وقار پر بدنامیوں کے داغ لگائے اور خزانہ عامرہ سے جو رقم ان کو ملتی تھی اس کو بدکاریوں میں صرف کرتے تھے[1]۔

نواب محمد غوث خاں بہادر اگرچہ بڑے فیاض اور سخی تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ ان کی فضول خرچیوں نے انھیں قرض دار بنا دیا تھا۔ لیکن ان کی زندگی "شرمناک" اور ان کا دربار" ذلیل ترین حرکات کا منبع" نہیں تھا جیسا کہ انگریز مورخوں نے لکھا ہے۔ یوروپین امراء کی عمدہ کوٹھیاں خریدنا، قیمتی گاڑیوں کا شوق، اپنے جلوس کے لئے چاندی کا تخت بنوانا وغیرہ شان حکومت کے لئے تھا۔ نواب اعظم کی فضول خرچی اور اسراف کو روکنے کی آخری زمانے میں گورنمنٹ ایسٹ انڈیا کمپنی نے بہت کوشش کی۔ اگر وہ شروع سے ایسا کرتے تو

---

[1] سر ولیم ہنٹر : مارکوئیس آف ڈلہوزی صفحہ ۱۱۷ مطبوعہ دار الطبع سرکار عالی ۱۹۳۲ء

جو رقم خزانہ عامرہ سے نواب کو ملتی تھی وہ غلط کاموں میں صرف نہ ہوتی ۔ اور اُن کے قرضوں کے تصفیہ کے لئے محل کا سارا اسباب، کتب خانہ، سنہری تخت، دارالامارہ کا سارا اسباب، بنگلے، کوٹھیاں، اور باغات کا عام نیلام نہ ہوتا ۔

مولوی صفی الدین ناظر مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ نے نواب محمد غوث خاں پر انگریز مورخین کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نواب اعظم کو اگرچہ ناچ گانے کا بہت شوق تھا جو خلافِ شرع ہے لیکن اکثر مسلمان امراء و سلاطین میں اس کا رواج عام رہا ہے۔ اس ایک الزام پر ان کو ذلیل کرنا اُن مورخوں اور مصنفوں کو زیب نہیں دیتا۔ نواب اعظم کی زندگی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ بڑے راسخ الاعتقاد اور بڑی پاکیزہ صفت مسلمان تھے ۔ انھوں نے یا اُن کے کسی درباری یا خاندان کے کسی فرد نے کبھی کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی ۔ جو اہلِ علم اس وقت دربار ارکاٹ میں جمع تھے اُن کی مثال زمانہ آج تک پیش نہیں کر سکا[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مضمون تبصرہ بر ملک کرناٹک از مولوی صفی الدین

ازواج

نواب محمد غوث خاں بہادر نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی ۲۶ رجب سنہ ۱۲۶۴ھ مطابق ۲۸ جون سنہ ۱۸۴۸ء کو بڑی دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے نواب خیر النساء بیگم سے ہوئی۔ بیگم صاحبہ کے آباد اجداد سرکار آصفیہ میں امرائے معزز و نامدار سے تھے۔ ان کے دادا کو ضیا الدولہ بہادر کا اور ان کے والد کو ضیاء الملک بہادر اور ان کے نانا کو نواب خان خاناں نظام یار جنگ اور ان کے ماموں کو نواب فخر الملک بہادر کا خطاب حاصل تھا[1] جوہر نے اپنی مثنوی میں شادی کی ساری تفصیلات دی ہیں۔ اس کے علاوہ اعظم الاخبار مدراس کی پہلی جلد کے پہلے شمارے مورخہ ۶ جولائی سنہ ۱۸۴۸ء میں جو مدراس کے کتب خانہ مدرسہ محمدی رائی پیٹ میں محفوظ ہے شادی کی پوری تفصیلات دی گئی ہیں۔

پروفیسر یوسف کوکن نے بتایا ہے کہ اس شادی کے اخراجات کے لئے نواب اعظم نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ۱۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۴ھ کو تین لاکھ روپے

---

[1] رسالہ تہذیب و تعلیم جلد دوم شمارہ ۵ صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ حیدرآباد دکن مئی سنہ ۱۸۸۵ء

اور پھر ۲۵ رجب سنہ ۱۲۶۴ھ کو مزید ایک لاکھ روپیہ لیا۔ لیکن پروفیسر کوکن نے اس شادی کو نواب اعظم کی دوسری شادی کا واقعہ بتایا ہے[۱] حالانکہ یہ ان کی پہلی شادی تھی۔

نواب اعظم کی محل خاص نواب خیر النساء بیگم ایک نیک فیاض خاتون تھیں۔ ان کی بنائی ہوئی مسجد اور مدرسہ مدراس کے مشہور محلے حجام بازار میں آج بھی موجود اور آباد ہے۔ نواب اعظم کی وفات کے بعد نواب خیر النساء بیگم کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے چھ ہزار ماہانہ پنشن مقرر ہوئی تھی۔ نواب خیر النساء بیگم کا سنہ ۱۳۲۱ھ مطابق سنہ ۱۹۰۳ء میں انتقال ہوا اور نواب اعظم کے پائیں دفن ہوئیں[۲]۔ نواب اعظم کو ان سے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی۔ لیکن مدار الامراء کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب اعظم کو ان سے ایک لڑکی ۴ ۲ جمادی الآخر سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق سنہ ۱۸۵۱ء کو ہوئی۔ اس لڑکی کی رسم فطام ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق سنہ ۱۸۵۱ء کو انجام پائی تھی۔

---

[۱] خانوادہ قاضی بدر الدولہ صفحہ ۲۹۳

[۲] محمد حسین محوی۔ نواب اعظم اور مشاعرہ اعظم۔ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل سنہ ۱۹۳۳ء

دوسری شادی

نواب اعظم کی دوسری شادی ۲۷ ذوالحجہ ۱۲۶۴ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۸۴۸ء کو اعظم النساء بیگم سے ہوئی۔ لیکن عوام میں اعظم النساء بیگم "جہانگیر حیدرآبادی" کے نام سے مشہور تھیں۔ "جامع الاخبار" ہمیشہ اپنے شماروں میں اعظم النساء بیگم کا ذکر طنزیہ انداز میں کرتا تھا۔ کبھی انھیں "معشوقۂ جہانگیر" کبھی "جہانگیر حیدرآبادی" تو کبھی "بت بنارسی" لکھا کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب اعظم اعظم النساء بیگم کو بے حد چاہتے تھے۔ کیونکہ ۱۳ دسمبر ۱۸۵۲ء کے شمارے میں "جامع الاخبار" نے یہ اطلاع شائع کی تھی کہ نواب صاحب "ان دنوں زلف سنبل بت بنارسی کے دام محبت میں گرفتار رات دن اپنے "حجرے" میں پڑے رہتے ہیں اور جب دل چاہے باغ میں بھاگتے کھیلتے پھرتے ہیں"۔

نواب اعظم کو اعظم النساء بیگم سے ایک لڑکی ۱۲ جمادی الاول ۱۲۶۸ھ کو تولد ہوئی۔ نواب مدار الامراء کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑکی کی رسم فطام ۱۳ رجب ۱۲۷۰ھ کو ہوئی تھی۔

نواب اعظم کی وفات کے بعد اعظم النساء بیگم کو چار ہزار روپے ماہانہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے پنشن مقرر ہوئی تھی[1]۔ مولوی محمد حسین محوی کا بیان

---

[1] محمد منور گوہر۔ سخنوران بلند فکر صفحہ ۱۸۰

ہے کہ اعظم النساء بیگم کا ۲۴ رجمادی الاول ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء کو انتقال ہوا[1]

نواب اعظم کو ان دونوں بیویوں سے کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی اس لئے انگریزی حکومت نے 'خطاب' "استحقاقِ حکومت" اور "منشینات خاندان" سب ختم کر دیے۔ اس طرح نواب اعظم کی وفات پر اس برائے نام امارت و اقتدار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

وفات

نواب اعظم نے صرف بتیس ۳۲ سال کی عمر میں ۲۴ محرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۵ اکٹوبر ۱۸۵۵ء کو اچانک انتقال کیا۔ بعد انتقال مغفور کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سرغیب (۱۲۷۲ھ) مشہور تاریخِ رحلت ہے[2]

مولوی صفی الدین کا بیان ہے کہ قرض خواہوں کی کاوش گورنمنٹ کی تہدید (دھمکانے) سے نواب اعظم کو اختلاجِ قلب کا مرض پیدا ہو گیا تھا[3]

---

[1] محمد حسین محوی: نواب اعظم اور مشاعرہ اعظم صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۲ء

[2] خیر الدین خاں: اساس ریاست کرناٹک صفحہ ۳۳

[3] صفی الدین: تبصرہ بر ملک کرناٹک صفحہ ۶

جامع الاخبار" نے بھی نواب صاحب کے "کثرتِ غفلت اور شدتِ خفقان" میں مبتلا ہونے کی خبر شائع کی تھی[1]۔ جوہر نے اپنی مثنوی "اعظم نامہ" میں نواب اعظم کی وفات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس مثنوی سے کئی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے جو کسی تذکرے میں نہیں ملتیں۔ جوہر بیان کرتے ہیں کہ نواب اعظم کی وفات سے کچھ دن پیشتر "مسجدِ کلاں" پر بجلی گری۔ اس واقعہ کی جب نواب اعظم کو اطلاع ملی تو انھیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ مایوسی کی باتیں کرنے لگے۔ ایک رات وہ سخت بے قرار رہے۔ صبح سویرے طبیب مسیح الدولہ خاں کو بلانے کا حکم دیا۔ خادم ان کے پاس دوڑے لیکن حکیم مسیح الدولہ خود نہیں آئے اپنے بیٹے کے ہاتھ سے دوا روانہ کر دی۔ نواب اعظم مسیح الدولہ کے لڑکے سے ناراض تھے۔ اس لئے دوبارہ مسیح الدولہ کے پاس آدمی روانہ کیا گیا۔ جب وہ آئے نواب اعظم کی بے قراری کو دیکھ کر خفقان کے مرض کا شبہ ظاہر کیا اور کہا کہ کسی بیماری کا نام و نشان نہیں ہے۔ نواب اعظم نے فصد پر اصرار کیا۔ وہ اپنے ہاتھ پر پٹی باندھے ہوئے تھے۔

---

[1] جامع الاخبار نمبر ۱۳ جلد ۱۲ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۸۵۳ء

لیکن مسیح الدولہ فصد پر راضی نہ ہوئے اور تین دن تک توقف کرنے کو کہا۔
اس پر نواب اعظم بہت رنجیدہ ہوگئے ۔ ہاتھ پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی۔
اور کہا "میں اب زندہ نہیں رہوں گا" اسی تکلیف میں مرجاؤں گا"۔ پھر
اپنے دیوان مولوی عبدالوہاب مدار الامراء کو بلا کر وصیت کی کہ میرے سارے
قرض ادا کر دیجئے کہ کل محشر کے دن مجھ پر کسی کا کچھ دعویٰ نہ رہے۔" اس کے
بعد قرآن مجید منگایا اُسے بوسہ دے کر اپنے سینہ سے لگایا اور کئی بار اپنی
آنکھوں سے لگایا۔ پھر سورۂ یٰسین پڑھنے اور دم کرنے کی خواہش کی ۔
وہ بار بار کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ان کی حالت ابتر ہورہی تھی ۔ جسم کبودی رنگ
اختیار کررہا تھا اور رخسار زرد پڑ گئے تھے ۔ ایسی حالت میں بھی انھوں
نے اپنی محل خاص اپنے چچا اور دادی کو یاد کیا ۔ اور انھیں بلانے کی
خواہش کی لیکن ان لوگوں کے آنے سے پیشتر ہی ان کی روح پرواز
کرگئی ۔ جوہر نے آخر میں بتایا کہ نواب اعظم کی موت پر ٹونا، جادو اور
زہر دینے کا شبہ کیا گیا ۔ پروفیسر محبوب پاشا صاحب جو خاندان والاجاہی
سے تعلق رکھتے ہیں راقم الحروف کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "نواب اعظم
کم سنی میں مسند نشین ہوئے بالغ ہونے تک ان کے چچا نواب عظیم جاہ اُن

کے سرپرست بنے رہے۔ جب چچا کی سرپرستی ختم ہوگئی تو چچا بھتیجے میں آخر تک چشمک رہی۔ مرنے سے قبل نواب اعظم کی زبان پر یہ شعر تھا ؎

نہ تھے میرے مرنے کے یہ دن ندیم
مجھے زہر دے کر ہے مارا حکیم

نواب اعظم کے انتقال کے بعد جب انگریزوں نے عظیم جاہ سے یہ دریافت کیا کہ میت کب اٹھائی جاتی ہے مطلع کیا جائے تاکہ سرکاری طور پر جنازے کے لئے باقاعدہ انتظام کیا جا سکے۔ تو نواب عظیم جاہ نے صاف کہہ دیا کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا، سرکار جو چاہے کرے کہتے ہیں کہ انگریزوں نے اتنی دھوم سے نواب اعظم کا جنازہ اٹھایا کہ پھر کسی نواب کو یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا۔ فوج، باڈی گارڈ اور سرکاری بیانڈ ساتھ تھا۔ نہایت شان و شوکت کے ساتھ کلس محل سے مسجد والا جاہی تک لاش پہنچائی گئی۔ انگریزوں نے محل پر پہرے بٹھا دیئے۔ دفتر پر سیل لگا دی۔ نواب عظیم جاہ نے مداخلت کی تو کہہ دیا تم تو بالکل بے دخل تھے تم نے تو مرحوم کے وارث ہونے سے انکار کر دیا پھر اب کس طرح اپنا حق جتا رہے ہو۔ پروفیسر محبوب پاشاہ کہتے ہیں کہ قرائن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نواب اعظم کو زہر دینے میں نواب عظیم جاہ یا اُن کے نادان ہمدردوں

کا ہاتھ رہا ہوگا۔[1]

یادگاریں

نواب محمد غوث خاں بہادر اہلِ فن و ارباب کمال کے بڑے قدردان اور انتہائی فیاض شخص تھے۔ مذہبی کاموں میں ہمیشہ بڑی دلچسپی سے حصہ لیتے تھے۔ اور ہزاروں روپے ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینوں کی تقاریب پر خرچ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں رباطیں بھی تعمیر کروائیں۔ لنگر خانہ بیوہ جو مفلس اور نادار عورتوں کی امداد کی غرض سے قائم کیا گیا تھا اس کو ماہانہ کثیر رقم بطور امداد دی جاتی تھی۔ سنہ ۱۲۶۱ھ م ۱۸۴۵ء میں جارج ٹاؤن مدراس میں ایک عیدگاہ بھی تعمیر کروائی تھی۔ 'مدرسۂ اعظم' اور کتب خانہ عام اہلِ اسلام (MOHAMMADAN PUBLIC LIBRARY) مدراس آپ کی علم دوستی اور فیاضی کی زندہ یادگاریں ہیں۔

مدرسۂ اعظم

نواب اعظم نے مدراس کی علمی و ادبی ترقی میں گراں قدر حصہ لیا تھا۔

---

[1] پروفیسر محبوب پاشا کے ایک خط کا اقتباس: یہ خط راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

انھوں نے ۱۸۴۹ء میں "مدرسہ اعظم" قائم کیا اور اپنے جیب خاص سے اس کے لئے سالانہ بارہ ہزار روپئے منظور کئے تھے۔ یہ اس زمانے کے لحاظ سے ایک کثیر رقم سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اس وقت کے انگریز ایجنٹ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ اور اپنی ایک تقریر میں اس حقیقت کا اظہار یوں کیا تھا:

"حضور (یعنی نواب اعظم) اپنی عنایت و فیض رسانی سے تمھارے عالم بے علمی و جہالت پر ترحم فرماکر مدرسے کے اخراجات کے لئے ماہوار ایک ہزار روپے مرحمت فرماتے ہیں... انگریزی سرداران جو حاضرین مجلس ہیں اس بات سے واقف ہیں کہ تم تمام فرنگستان میں جستجو کریں تو کسی بادشاہ کو نہ پاؤگے جو اپنے ذاتی پیسوں سے ماہوار ہزار روپے کسی مدرسے کے لئے دیتا ہے"[1]

اس مدرسہ کے قیام کا مقصد عوام کو "مہذب" بنانا اور مدراس کے باشندوں کو "علوم متفرقہ والسنہ متنوعہ" کی تعلیم دینا تھا۔ قاضی بدرالدولہ

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "روداد محفل نظمائے مدرسہ اعظم" مطبوعہ مطبع اسلامیہ مدراس ۱۸۵۴ء

مدرسہ اعظم کے میر مجلس اور شیریں سخن خاں راقم صدر مدرس بنائے گئے تھے۔ اور مجلسِ نظماء میں مولوی عبدالوہاب مدار الامراء، قاضی ارتضاء علی خاں، رئیس الامراء، دبیر الملک، منشی الملک، سالار الملک، نواب صدارت خاں اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور اراکین کی حیثیت سے مقرر کیے گئے تھے۔ مدرسۂ اعظم میں مسلمان طلباء کے لئے "علوم متفرقہ والسنہ متنوعہ" کی تعلیم سے پہلے فقہ و عقاید کا علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا تاکہ طلباء دنیاوی علوم سے پہلے دینِ اسلام سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور دینی تعلیم کے حامی نہیں تھے ان کی کوششوں سے جب "مدرسۂ اعظم" میں مختلف السنہ جیسے انگریزی، ٹامل اور تلگو کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ قاضی بدر الدولہ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ بالآخر انھوں نے مدرسۂ اعظم کی بدلی ہوئی پالیسی سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اس کی میر مجلسی سے ۹ر جمادی الثانی سنہ ۱۲۶۹ھ کو استعفیٰ دے دیا۔ جسے نواب اعظم نے بڑے پس و پیش کے بعد ۲۳ر جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو قبول کرلیا۔ ان کی جگہ ان ہی کے خاندان کے ایک معزز فرد حاجی قادر مرتضیٰ حسین سالار الملک مدرسۂ اعظم کی مجلسِ نظماء کے صدر مقرر ہوئے۔ مدرسۂ اعظم کی ترقی میں نواب سالار الملک نے گراں قدر حصہ لیا چنانچہ پروفیسر یوسف

کوکن رقم طراز ہیں:

"مدراس بلکہ ہندوستان بھر کے مسلمان علماء و فضلاء اور امراء میں سالار الملک بہادر پہلے شخص ہیں جنھوں نے انگریزی تعلیم کی حمایت اور سرپرستی کی۔ انھوں نے اس زمانے میں اس کی حمایت کی جب کہ سرسید احمد خاں مرحوم ابھی تک اس میدان میں گامزن بھی نہیں ہوئے تھے"۔[1]

نواب سالار الملک نے ہمیشہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھا اور علم کی اشاعت میں ہمیشہ مشغول رہے۔ ان کا سماجی نقطۂ نظر یہ تھا کہ دینی اور دنیوی زندگی کو ہم آہنگ کیا جائے۔ ہندوستانی مسلمان اور بالخصوص جنوبی ہند کے مسلمان اپنے دیگر ہم وطنوں سے پیچھے تھے جس کی وجہ سے وہ معاشی اور تعلیمی اعتبار سے بھی پس ماندہ تھے۔ نواب سالار الملک نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ دینی اور دنیاوی زندگی میں کوئی تضاد نہیں۔ دونوں میں کمال حاصل کرنے کی سعی کرنا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔ دنیاوی ضروریات کے لئے علم و ہنر حاصل کرنا وقت کی ایک ایسی اہم ضرورت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] یوسف کوکن: خانوادہ قاضی بدرالدولہ صفحہ ۵۳۴ مطبوعہ مدراس

علم دنیا اور علم دین دونوں ایک دوسرے کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔

غرض قاضی بدر الدولہ، مولوی عبد الوہاب مدار الامراء اور دوسرے علماء کی مخالفت کے باوجود نواب سالار الملک نے انگریزی تعلیم کی اشاعت اور فروغ کے سلسلے میں ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کا ساتھ دیا۔ اس طرح مدرسۂ اعظم نے خوب ترقی کی۔ اس مدرسہ کے وسیع احاطے میں ۱۹۱۸ء میں "محمڈن کالج" قائم ہوا جو بعد میں "مسلم کالج" کہلایا اور اب "گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس" کہلاتا ہے۔

کتب خانہ عام اہل اسلام

نواب اعظم کے عہد میں مدراس میں کئی خانگی اور سرکاری کتب خانے موجود تھے لیکن جس کتب خانے نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی وہ "کتب خانہ عام اہل اسلام" ہے۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کی پرزور تحریک کے باعث اس کتب خانہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ حکومتِ وقت کی نئی تعلیمی پالیسی کی بناء پر گورنمنٹ ایجنٹ ڈاکٹر بالفور نے مسلمانوں کو کتب خانے اور مدرسے قائم کرنے کی ترغیب دلائی تھی۔ چنانچہ ۲۲ رجب ۱۲۶۶ھ م ۱۸۴۹ء کو ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور اور شہر مدراس کی ذی اثر شخصیتوں جیسے عبد الوہاب مدار الامراء، قاضی ارتضاء علی خاں، خان عالم خان فاروقی، شہاب الدین اعظم الملک، محمود علی خان

مشیر الدولہ مرزا عبد الباقی وفاؔ، محمد عبد اللہ صدارت خاں، رئیس الامراء شیر یوسخن خاں راقمؔ وغیرہ کی کوششوں سے اس کتب خانے کا قیام عمل میں آیا۔ قاضی ارتضاء علی خاں میر مجلس مقرر ہوئے۔ نواب محمد غوث خاں اعظمؔ، نواب عظیم جاہ اور گورنر مدراس سرہنری پاٹنجر اس کتب خانے کے سرپرست بنائے گئے۔

جب نواب اعظمؔ کے سامنے اس کتب خانے کی تحریک پیش کی گئی تو انھوں نے بخوشی اسے منظور فرمایا اور سات سو روپے عطیہ دیا اور کتب خانے کے لئے ماہوار پینتیس ۳۵ روپے مقرر کر دیئے تھے۔ نواب عظیم جاہ نے ڈھائی سو روپے عطیہ دیا تھا گورنر مدراس سرہنری پاٹنجر نے پچھتر ۷۵ قیمتی کتابیں کتب خانے کے لئے بطور عطیہ دی تھیں۔ ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کی درخواست پر کلکتہ کے "ارباب کونسل آف ایجوکیشن" نے ایک سو چھ ۱۰۶ عمدہ کتابیں روانہ کی تھیں۔ انفرادی عطیوں اور چندے کے ذریعہ سے نوسو چوراسی ۹۸۴ روپے وصول ہوئے تھے۔ عام اراکین نے اپنے طور پر پانچ سو تیرہ ۵۱۳ کتابیں جمع کروائی تھیں۔ کتب خانہ کے سرمایہ سے ایک سو چونسٹھ کتابیں خریدی گئیں اور والاجاہ روڈ پر ایک مکان نو روپیہ ماہوار کرایہ پر لیا گیا۔ داروغہ کی تنخواہ دس روپے اور دو پیادوں کی تنخواہ پانچ پانچ روپے مقرر ہوئی۔ بعد میں داروغہ کی تنخواہ میں پانچ روپے کا اضافہ ہوا[۱] اس

---

[۱] پہلی روداد مجلس مخصوصہ عام۔ کتب خانہ عام اہلِ اسلام مدراس۔ مطبع اعظم الاخبار مدراس

کتب خانہ کی ترقی کے لئے مزید چندے جمع کئے گئے۔ نواب اعظم نے دو ہزار روپے، نواب عظیم جاہ نے دو سو روپے، عبدالوہاب مدار الامراء اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے پچاس پچاس روپے اور ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے سو روپے چندہ دیا تھا۔ اور دوسرے لوگوں نے بھی چندے دیئے جس سے کافی رقم جمع ہوگئی تھی۔ اس کتب خانے نے خوب ترقی کی۔ یہ کتب خانہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے سارے ہندوستان میں بے نظیر تھا۔ دور دور تک اس کی شہرت پہنچ گئی تھی۔ ۱۳ / فروری ۱۸۵۲ء کو ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ مدراس کے اہلِ اسلام کے لئے جو ایک کتب خانہ قائم کیا گیا ہے وہ ان کے لئے بڑی نعمت ہے۔ اس کی شہرت تمام ملکوں میں پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ کتب خانہ پورے ہندوستان میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔[۱]

اس کتب خانے کی شہرت مصر تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ بادشاہ مصر نے بھی اس کے لئے عمدہ، نادر عربی اور ترکی کتابیں روانہ کی تھیں۔ "اعظم الاخبار" میں یہ اطلاع اس طرح شائع ہوئی تھی:

---

[۱] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، روداد مجلس مخصوصہ عام نشر کائے کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس مطبوعہ اعظم الاخبار ۱۲۷۰ھ

"مدراس کے کتب خانہ عام اہلِ اسلام کی ترقی کے لئے بادشاہِ مصر نے دو سو چالیس پر کئی جلد عمدہ عمدہ کتابوں کے بطورِ عطیہ روانہ فرمایا۔ سو کتب خانے میں آ پہنچے۔ سب فقط عربی اور نثر کی کتابیں ہیں جو اکثر انگریزی اور فرانسیسی سے ترجمہ کئے گئے ہیں"[۱]

کتب خانہ کی چوتھی روداد سے پتہ چلتا ہے کہ چار سال کے اندر اس کتب خانہ میں تقریباً پندرہ سو کتابیں جمع ہوگئی تھیں۔ اور مزید کتابیں خریدنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ ہر ایک رکن کی خواہش یہ تھی کہ یہ کتب خانہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے لئے ایک مثالی کتب خانہ ثابت ہو۔ کتب خانہ میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ کام کیا جاتا تھا کیونکہ منتظمین اس سے غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ کتابوں کی باقاعدہ ایک فہرست مرتب کی گئی تھی جس کو بعد میں طبع بھی کیا گیا تھا۔ کتب خانہ کی عمارت کے لئے چار سال میں تین ہزار چار سو چار روپے کا سرمایہ جمع کر لیا گیا تھا۔ دو ہزار روپے تو نواب اعظم نے دیئے تھے اب کتب خانہ کی آمدنی تقریباً اڑسٹھ روپے چار آنے ماہوار تھی اور خرچہ

---

[۱] اعظم الاخبار نمبر ۲۵ جلد ۵ مورخہ ۲۴ جون ۱۸۵۳ء

بتیس[۳۲] روپے پانچ آنے تھا[۱]

نواب اعظم کی وفات کے بعد اس کتب خانہ کی ترقی رک گئی۔ اچھی دیکھ بھال نہ ہونے سے بہت سی کتابیں ضائع ہوگئیں۔ اب گذشتہ چند سالوں سے پروفیسر محبوب پاشا اس کتب خانہ کے نگران ہیں ان کی سرپرستی میں اُمید ہے یہ کتب خانہ ترقی کرے گا جس کا یہ بجا طور پر مستحق ہے۔

علم و ادب اور شعر و سخن سے دلچسپی

نواب اعظم کی طبیعت میں شاعری کا ملکہ قدرت کی جانب سے ودیعت کیا گیا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں علوم متداول کی تحصیل کے بعد مشق سخن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ خود نواب اعظم کا بیان ہے کہ انھوں نے "دیوانِ مظہر کے برابر خود اپنا ایک مختصر دیوان مرتب کر لیا تھا[۲] نواب محمد غوث خاں، اعظم تخلص کرتے تھے۔ اور سید ابو طیب خاں والا سے اصلاح سخن لیتے تھے[۳]۔ والا کی حوصلہ افزائی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اس طرح نواب اعظم بہت جلد عمدہ شعر کہنے لگے۔

---

۱ روداد چہارم مجلس عام کتب خانہ عام اہل اسلام مدراس۔ مطبع غوثیہ ۱۲۷۱ھ

۲-۳ تذکرہ گلزار اعظم صفحہ ۶۵

نواب اعظم کو اگرچہ شاعری میں والا سے تلمذ تھا لیکن آپ شاعری میں ناصر علی سرہندی کی تقلید پسند فرماتے اور اس فن میں اُن کو اپنا پیشوا مانتے تھے۔ مہدی واصف نے اپنے مشہور اور نایاب فارسی تذکرے "معدن الجواہر" میں ناصر علی سرہندی کے کلام پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں۔ ان سب کے تفصیلی جوابات نواب اعظم نے اپنے مشہور تذکرہ "گلزارِ اعظم" میں دیئے ہیں۔

نواب اعظم بڑے ذہین و طباع تھے۔ انھوں نے خداداد ذکاوت و ذہانت پائی تھی۔ مولف "سخنورانِ بلند فکر" کا بیان ہے کہ نواب اعظم کے لیے گھنٹے دو گھنٹے کی فکر میں ایک عمدہ غزل کہہ لینی معمولی بات تھی۔ ایک مرتبہ ایک ہی رات میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی منقبت میں (۴۷) شعر کا ایک قصیدہ موزوں فرما لیا تھا۔[۱]

نواب اعظم اصل میں فارسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ ان کے زیادہ تر کارنامے صرف فارسی ہی میں ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدراس کے تمام اہلِ علم فارسی ہی میں شعر کہتے اور اسی زبان میں تصنیف و تالیف کرنا

۱۔ محمد منور گوہر : سخنورانِ بلند فکر۔ صفحہ ۱۴۷

پسند کرتے تھے۔ اُردو میں جو بھی کہا جاتا صرف تفنناً کہا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے نواب اعظم کا اُردو کلام بہت کم ملتا ہے۔ انھوں نے اُردو نثر کی طرف بھی توجہ نہیں کی تھی۔

تصانیف

نواب اعظم نے چار کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے تین یعنی تذکرہ "صبحِ وطن" "تذکرہ گلزار اعظم" اور "سفینۃ النجات" فارسی میں ہیں — "بہارستانِ اعظم" نواب اعظم کا مختصر اُردو اور فارسی دیوان ہے۔

تذکرہ صبحِ وطن

نواب اعظم کی اولین تصنیف تذکرہ صبحِ وطن ہے۔ اس میں ریاست کرناٹک کے اکیانوے (۹۱) شعراء کی مختصر سوانح اور ان کے فارسی اشعار کا انتخاب دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۵۷ھ م ۱۸۴۱ء میں مرتب ہوا۔ لیکن ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں محمد حسین شیریں خاں راقم کے اہتمام سے اور نواب سالار الملک قادر مرتضیٰ حسین کی محرنت مطبع سرکاری کشن راج میں طبع ہوا اس کی کتابت غلام محمد نے کی تھی۔ تذکرہ صبح وطن کے مطبوعہ نسخے اب نایاب ہیں۔ راقم الحروف کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس کی کتابت

۱۲۶۰ھ م ۱۸۴۴ء میں ہوئی۔ تذکرہ صبح وطن کے آخر میں کچھ تاریخی قطعات تالیف کتاب کے سلسلے میں درج ہیں۔ احمدی کا قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو ؎

چون امیر اعظم والا گہر — قدر داں جوہر اہل ہنر
از برائے یادگار روزگار — نسخہ اشعار شعرائے دیار
از نگاہ لطف خود ترتیب داد — یا الٰہی خانہ اش آباد باد
احمدی چون خواستہ سال بنا — یادگار اعظمی آمد ندا
۱۲۵۷

تذکرہ گلزار اعظم

نواب اعظم کی دوسری تالیف "تذکرہ گلزار اعظم" ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۶۹ھ م ۱۸۵۲ء میں تالیف ہوا۔ لیکن اس کی اشاعت مطبع سرکاری سے ۱۲۷۲ھ م ۱۸۵۵ء میں عمل میں آئی۔ اس تذکرہ میں کرناٹک کے ایک سو چالیس شعراء کا تفصیلی تذکرہ درج کیا گیا ہے۔ شعراء کے سنہ پیدائش، مقام ولادت، تعلیم و تربیت، کتب، استعداد و لیاقت کے واقعات اور سیر و سیاحت کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ان کے تالیف و تصانیف کے علاوہ منتخب کلام بھی نہایت تحقیق، راست بیانی اور حق پسندی کے ساتھ بڑے دل کش اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ابتداء میں حسب ذیل قطعہ تاریخ درج ہے۔

چو تعمار شد گلشن بے خزاں   کہ افزاید از سیر آں عقل و ہوش

شدم در پے نام و تاریخ او   ندا کرد گلزار اعظم سروش
۱۲۶۹

نواب اعظم کے تذکرے "صبح وطن" اور "گلزار اعظم" ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ جنوبی ہند کے دو ایسے مستند تذکرے ہیں جن سے اس خطے کے شعراء کا مفصل حال معلوم ہوتا ہے۔ ان میں کرناٹک کے شعراء کے حالات ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔ آج بھی یہ تذکرے مستند ماخذ کا کام دیتے ہیں چنانچہ مولوی نصیر الدین ہاشمی ان تذکروں کے متعلق لکھتے ہیں:

"تذکرہ صبح وطن" اور "گلزار اعظم" کے باعث اس وقت کے فارسی اور اردو کے بڑے بڑے نامور شعراء کا حال آج تک محفوظ ہے اگر یہ تذکرے مرتب نہ ہوتے تو شاید اس وقت کے شعراء کے حالات کا پتہ ہی نہ چلتا۔ اعظم نے ان دونوں تذکروں کو مرتب کر کے علمی اور شاعری کی دنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے"[۱]

سفینۃ النجات

یہ فنِ جہاز رانی کے متعلق نواب اعظم کا ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے۔

---

[۱] نصیر الدین ہاشمی: نواب محمد غوث خاں کے بعض علمی کارنامے مطبوعہ دکھنی کلچر ص: ۲۷۵ مطبوعہ لاہور

اس میں فنِ جہاز رانی کے قواعد وضوابط اور اس کی اصطلاحیں وغیرہ تفصیل سے بیان کی گئی ہیں ۔ نواب موصوف نے اس رسالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک باب کئی فصلوں میں منقسم ہے ۔ فن کی مناسبت سے ہر باب کا نام "سیلابہ" اور فصل کا "موج" تجویز کیا گیا ہے ۔ مدراس کے گورنمنٹ اورینٹل منسکرپٹ لائبریری میں اس کا ایک ایسا قلمی نسخہ موجود ہے جس پر جابجا مصنف کی اصلاحیں موجود ہیں ۔ ۱۹۵۰ء میں یہ نسخہ اسی لائبریری کی جانب سے شائع بھی ہو چکا ہے ۔ یہ رسالہ تیئس ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ راقم الحروف کے پاس یہ رسالہ موجود ہے ۔

بہارستانِ اعظم

بہارستانِ اعظم، نواب اعظم کے فارسی اور اردو اشعار کا ایک مختصر انتخاب ہے ۔ یہ انتخاب، نواب اعظم کی وفات کے اٹھائیس ۲۸ سال بعد مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوا تھا ۔ "بہارستانِ اعظم" ڈیمی سائز کے صرف چھپن صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کا کاغذ اور اس کی لکھائی، چھپائی بہت ہی معمولی ہے ۔ ابتداء میں ایک صفحہ کا مختصر دیباچہ ہے ۔ پھر صفحہ نمبر دو سے پچاس تک فارسی کلام درج ہے جس میں نعت، منقبت، مرثیہ اور

غزلیں موجود ہیں ۔ اس میں چار قصاید سرور کائنات صلعم اور امہات المومنین کی مدح میں ہیں ۔ صفحہ نمبر ۵۱ سے اردو کلام شروع ہوتا ہے ۔ جو پانچ مکمل اور چھ نامکمل غزلیات پر مشتمل ہے - اردو غزلیات کے بعد فارسی میں تین صفحات کا " خاتمہ " بھی لکھا گیا ہے جس میں نواب اعظم کے مختصر حالات درج ہیں اور اُن کے کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے ـــــ آخر میں زین الدین احمد تاجر کتب نے نواب اعظم کے کلام کے دوسرے حصہ کی اشاعت کا اعلان کیا ہے لیکن دوسرے حصہ کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی ۔ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد میں "بہارستان اعظم" کے دو مطبوعہ نسخے محفوظ ہیں ۔ "بہارستانِ اعظم" اب کم یاب بلکہ نایاب ہے ۔

نواب اعظم کی اردو شاعری

نواب اعظم کا اگرچہ فارسی شاعری سے زیادہ لگاؤ تھا لیکن اس کے باوجود اردو کے ایک اچھے شاعر تھے ۔ پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ "نواب محمد غوث خاں اعظم نے شمال اور جنوب کے اساتذہ اردو کے کلام کا مطالعہ کیا تھا اور غزل بہت اچھی کہتے تھے" ۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں :

" محمد غوث خاں اعظم کے ستھرے مذاق اور علم دوستی کے مدِنظر ان کے

اطراف اچھے عالم اور سخن سنج اکٹھے ہو گئے تھے .... اُن کی وجہ سے اُردو شاعری کو جو محرک نصیب ہوا تھا اس کے باعث مدراس اور اس کے دور دراز حصوں میں اُردو شاعری کا ذوق ایسا پھیل گیا تھا کہ مختلف حصوں سے صدہا شاعر اور نثر نگار پیدا ہوتے رہے "[1]

مدراس میں نواب اعظم کی شاعری کا زمانہ وہ عہد تھا جب لکھنؤ میں ناسخ (متوفی ۱۸۳۸ء) و آتش (متوفی ۱۸۴۶ء) اور دہلی میں غالب (متوفی ۱۸۶۹ء)۔ ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) اور مومن (متوفی ۱۸۵۱ء) آسمانِ شاعری پر چھا رہے تھے۔ خود مدراس میں باقر آگاہ کے شاگرد اور نواب اعظم کے درباری شعراء جیسے حبیب اللہ ذکا، مہدی واصف، غلام احمد احمدی، سید درویش مخلص، قادر حسین جوہر، گذارش خاں شاعر اور شاہ فتاح احمد منتظر وغیرہ اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ خاں عالم خاں فاروق، حکیم عبدالباسط عشق، محمد قادر علی بے ہوش، تاج الدین بہجت، سید محمد حسین تمنا، حسن علی ماہلی حسن، ارتضیٰ علی خاں خوشنود اور شاہ عزیز الدین دیلر وغیرہ جیسے باکمال

---

[1] پروفیسر عبدالقادر سروری: اُردو کی ادبی تاریخ ص: ۲۱۵-۲۱۶ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۸ء

شعراء بھی اس عہد میں مدراس میں موجود تھے۔ اس ماحول میں جہاں شعر گوئی کا چرچا عام ہو نواب اعظمؔ اردو میں کس طرح طبع آزمائی نہ کرتے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج اُن کا کلام "بہارستانِ اعظم" کی چند غزلوں کے سوا اور کوئی نمونۂ کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ یقیناً اعظمؔ نے اس سے زیادہ کہا ہوگا جو نا قدریِ زمانہ یا حالات کی ستم ظریفی کی وجہ سے ضائع ہوگیا۔ "بہارستانِ اعظم" میں نواب اعظمؔ کا اردو کلام بہت کم ہے لیکن جو کچھ موجود ہے بہت خوب ہے۔ اس سے تخیل کی بلندی، مضمون کی رنگینی اور خیالات کی پاکیزگی ظاہر ہوتی ہے۔ زبان بھی آسان اور عام فہم استعمال کی ہے۔" نصیر الدین ہاشمی نواب اعظمؔ کے اردو کلام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" بہترین غزل کے لیے جن لوازم کی ضرورت ہے تخیل کی بلندی، خیالات کی تازگی، مضمون کی رنگینی، زبان کی صفائی یہ سب اعظمؔ کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں جس کی توثیق اُن کے کلام سے بخوبی ہو سکتی ہے۔"[1]

" بہارستانِ اعظم" کی کتابت و طباعت بعض جگہ اتنی ناقص ہے کہ

---

[1] نصیر الدین ہاشمی : مدراس میں اردو صفحہ ٦٥ مطبوعہ حیدرآباد سنہ ١٩٣٨ء

اس کی قرأت ایک مشکل بن گئی ہے ۔ ذیل میں اعظم کے اُردو کلام کا ایک انتخاب پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کے طرز اور رنگِ سخن کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ؎

عشق میں یار کے دل اپنا لگا کر دیکھا خوب اس شمع کو میں نے بھی جلا کر دیکھا
سلسلہ برق کو پہنچے ہے دلِ سوزاں کا دفترِ داغ کو میں نے جو اُٹھا کر دیکھا
ایک قطرہ کو مرے اشک کے پہنچا نہ کبھی تو نے اے ابر کئی سیل بہا کر دیکھا
فائدہ کچھ بھی ہوا تجھ کو بھلا اے اعظم دل جو تو اس بتِ ناداں سے لگا کر دیکھا

تاک لے یک بار گر اس چشمِ میگوں کو تو پھر
کیا عجب ہے پانی پانی ہو جو دل انگور کا
گر رہے یکساں یہ عالم حسن کا اس کے تو دل
ایک دم میں جمع کر دے گا وہ ساماں طور کا
کاکلِ مشکیں سے اس کے ذوق ہو اعظم جیسے
ہے درِ تاجِ سلیماں بیضۂ بیضہ مور کا

داغِ دل چمکا جو عشقِ سیمبر پیدا ہوا لو زمیں پر دوسرا رشکِ قمر پیدا ہوا

ماجرائے چشم کو بتلایا اڑتا رنگ کا   بعد مدت کے یہ مرغِ نامہ بر پیدا ہوا
مشہدِ بلبل پہ رکھتی ہے صبا لا لاکے گُل   نالۂ مرحوم میں آخر اثر پیدا ہوا

لیوے اگر وہ ہاتھ میں ساغر شراب کا   ہو جائے پانی شرم سے دل آفتاب کا

فلک پہ سینۂ سوزاں سے جب بخار اُٹھا   تو مارے ہول کے وہاں رعد بھی پکار اُٹھا

آتی ہے خاکِ قیس سے ہر دم صدائے دِل   باتوں پہ دلبروں کے تو ہرگز نہ جائے دل
سینہ مرا چمن ہوا گل ہائے داغ سے   اس شمع رو کے یاد میں بس داغ کھائے دل

کیوں گھر ہمارے آئے نہیں ہے وہ ماہ رُو   وہ جائے کون سی ہے جو تابِ قمر نہیں

کیوں نہ تڑپے دل نباہی آنسوؤں کی دیکھ کر   ایک مدت کے یہ طفلِ اشک ہیں پالے ہوئے
یاد میں اس شمع کی رو کی رات جو رد یا کیا   نالہ ہائے دل میرے آتش کے پرکالے ہوئے
کیفیت لائی صبا جو نرگسِ مخمور کی   گل چمن میں گریباں چاک متوالے ہوئے

حسن اس گلرو کا بالے سے دوبالا ہوگیا — خوش نما تر ہوئے جیسے نقشِ گل پرداز سے
رتبہ زلفوں کو ملا عارضِ زیبا سے ترے — جیسے دو شب کو فضیلت ہوئی آدینہ سے
(جمعہ)

نواب اعظم صنائع و بدائع کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا جو مختصر سا اردو کلام دستیاب ہوا ہے اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ رعایت لفظی پر انھوں نے بطورِ خاص توجہ کی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

رعایت لفظی

آئے کانِ چشم سے اشکِ زمردی — کس سبز رنگ سے تمھیں اعظم لگائے دل
جب سے نظر نہ آئی ہے وہ چشم نرگسی — ہیں گرچہ آنکھ مجھ کو پہ نورِ بصر نہیں
دوری سے غنچہ رو کے میں ایسا ہوں تنگدل — کب آہ کو بھی سینہ میں میرے گذر نہیں
اعظم گیا ہے جب سے کہ وہ صندلی لباس — بتلائیے کبھی تو بھلا دردِ سر نہیں

حسن تعلیل

تیری تلاش میں سوسن نے بان تلک دوڑا — کہ مارے پیاس کے منہ سے زبان نکل آئی

مراعات النظر

عشوہ و غمزہ کرشمہ، ناز اور انداز سے
الغرض دل لے گیا ظالم نے سو سو نا نہ سے

معاصرین کی رائے

سید مرتضیٰ بینش مولف تذکرہ " اشارات بینش" اور قدرت اللہ قدرت مولف تذکرہ " نتائج الافکار" نے اپنے تذکروں میں نواب اعظم کی ذہانت اور ذکاوت کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور نواب اعظم کی قدرت کلام، زود گوئی، بدیہہ سنجی اور طباعی کو بے حد سراہا ہے۔ سید مرتضیٰ بینش لکھتے ہیں کہ نواب اعظم ابتداء میں سید ابوطیب خان والا کی خدمت میں مشق سخن فرمالیتے تھے مگر اب تو اپنی بلند فطرت اور دقت پسند طبیعت کے اقتضا سے زمانے کے فصحاء میں سرآمد اور بلند پایہ بلغاء (بلیغ لوگ) کے سر دفتر ہو گئے ہیں۔ بقول بینش " نواب اعظم کی طبیعت کی تیزی اور ذہن کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ ارباب شعراء میں اکثر اوقات طرحی غزل ایک گھنٹے میں بخوبی تحریر فرمالیتے ہیں "۔[1]

نواب اعظم اپنے مخصوص مشاعرے میں جو " مشاعرہ اعظم " کے نام سے مشہور تھا بارہا ایک ایک دو دو گھنٹے میں غزل کہہ کر اپنی مشاقی کا ثبوت دیا کرتے تھے۔ " اشارات بینش " کے علاوہ خود تذکرہ " گلزار اعظم " میں اس کے بہت سے شواہد ملتے ہیں۔ نواب اعظم لکھتے ہیں کہ ایک بار مشاعرے میں " رخسارِ گل " اور " خارِ گل " زمین قرار دی گئی اور طرحی مصرع کی " فرد افاعیل " میر مجلس مشاعرہ اعظم شیریں سخن

[1] اشارات بینش صفحہ ۴۴ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۳ء

خاں راقم کی جانب سے محفل کے ہر سخن سنج کی خدمت میں پہنچی . میر مہدی ثاقب نے عرض کی "حضرتا ! بے ادبی معاف ! ما بفکر غزلی حیرانیم و جناب عزم قصیدہ دارید خدا حافظ !!" لہ (حضور والا ! بے ادبی معاف ! ہم ایک غزل کی فکر میں حیران ہیں اور حضور قصیدے کا عزم رکھتے ہیں - خدا حافظ ہے !) پس اسی رات کو نواب اعظم قصیدہ لکھنے بیٹھ گئے . محرم کا زمانہ تھا . اسی مناسبت سے ایک حزنیہ قصیدہ سینتالیس[۴۷] شعر کا مظلوم کربلا سید الشہدا حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شان میں لکھ ڈالا ، اور صبح ہوتے ہی اپنے احباب مجلس کی خدمت میں پیش کیا ، سب حیران رہ گئے اور نواب اعظم کے کمال فن کا اعتراف کیا . یہ مکمل قصیدہ "گلزار اعظم" میں بھی موجود ہے[۲]

مشاعرۂ اعظم

"مشاعرۂ اعظم" کے نام سے نواب اعظم نے ایک بزم سخن ۱۲۶۲ھ میں قائم کی تھی جو دس برس تک یعنی نواب اعظم کی وفات ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء تک قائم رہی . اس بزم کے تحت ہفتہ وار مشاعرے بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا کرتے تھے . ان کی ایک

لہ ۲ گلزار اعظم صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۳

اہم خصوصیت یہ تھی کہ شعراء کو ایک دوسرے پر مدلل نکتہ چینی اور تنقید کا حق حاصل تھا۔ شاعر کا فرض تھا کہ اگر کوئی اس کے شعر پر اعتراض کرے تو اس کا تشفی بخش جواب دے یا حکمِ اوّل میراں محی الدین واقفؔ اور حکمِ ثانی قدرت اللہ خاں قدرتؔ مولف "تذکرہ نتائج الافکار" اور میر مجلس مشاعرہ افضل الشعراء شیریں سخن خاں راقمؔ کا فیصلہ تسلیم کرے۔ حکمِ اعلیٰ خود نواب اعظمؔ تھے۔ ان کا فیصلہ آخری اور قطعی فیصلہ مانا جاتا تھا۔

مشاعرۂ اعظمؔ سرکاری مشاعرہ تھا جو نواب اعظمؔ کی صدارت میں منعقد ہوتا تھا۔ مرتضیٰ بینشؔ نے اپنے تذکرے میں اس کی بڑی عمدہ تصویر کھینچی ہے[1]۔ مشاعرۂ اعظم میں مدراس کے تقریباً تیئس[23] ممتاز شعراء جو سرکاری مشاہرہ یاب اور معزز خدمات پر سرفراز تھے شریک ہوا کرتے تھے۔ اس مشاعرہ کا اثر بقول محمد حسین محوی یہ ہوا کہ "علوم و فنون کے بازار کی رونق دوبالا ہوگئی۔ خاص کر سخن وری اور معنی گستری کے جواہر کا رواج عام ہوگیا"[2] تہذیبِ مشاعرہ و آدابِ مجلس کے متعلق محمد حسین محوی کا بیان ہے کہ سب سے قابلِ تعریف بات یہ تھی کہ مشاعرے میں

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ اشارات بینشؔ صفحہ ۸ تا ۹ مطبوعہ مدراس

[2] محمد حسین محوی: نواب اعظم اور مشاعرۂ اعظم۔ صفحہ ۳۳۰ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۲ء

کوئی شاعر آدابِ مجلس اور آئینِ اخلاق کے خلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا حتیٰ کہ شعر میں بھی اشارتاً یا کنایتاً ایسی بات نہیں بیان کر سکتا تھا جو تہذیب کے خلاف اور متانت و سنجیدگی سے دور یا اخلاق سے گری ہوئی ہوتی۔ معاصرین پر چوٹ کرنا یا ان کی تحقیر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ ایسی شاعرانہ تعلی بھی ناجائز سمجھی جاتی تھی جس میں دوسرے شعراء کی توہین کا پہلو موجود ہوتا۔ محمد حسین محوی لکھتے ہیں کہ "یہ امر نواب کو نہایت ناگوار تھا اور 'بمصداق الناس علیٰ دین ملوکہم" درباری شعراء پر بھی اس کا اثر تھا"[۱] آگے چل کر محمد حسین محوی رقمطراز ہیں "یہ پتہ چلتا ہے کہ شعرائے دربار میں باہم خوش گوار مراسم تھے اور ہر ایک کو ایک دوسرا بھلائی سے یاد کرتا ہے۔ آپس میں طنز و طعن کو یہ لوگ خود بھی تہذیب کے خلاف شرافت کے منافی اور شانِ علم و ادب کے بالکل غیر شایان سمجھتے تھے ــــ

اس لحاظ سے دربارِ اعظم کو جس قدر سراہا جائے کم ہے۔ اور اس مذاقِ سلیم کی جتنی داد دی جائے بجا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس نے بعض دیگر امرائے ہند کے درباروں اور درباری شاعروں سے اسے ممتاز کر دیا ہے"[۲]

---

۱ تا ۲ محمد حسین محوی: نوابِ اعظم اور شاعرِ اعظم صفحہ ۳۳۸ تا ۳۳۹ مطبوعہ رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۳ء

مثنوی اعظم نامہ

"اعظم نامہ" امیر الہند والا جاہ نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کے درباری شاعر قادر حسین جوہر کی ایک نایاب غیر مطبوعہ مثنوی ہے ۔ اس مثنوی میں نواب اعظم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بڑے موثر انداز میں نظم کئے گئے ہیں یہ تاریخی مثنوی زیادہ طویل نہیں لیکن اس کے مطالعہ سے والا جاہی تہذیب کے خدوخال پر روشنی پڑتی ہے ۔ تاریخ کی کتابوں میں بھی ہمیں اس دور کی ایسی بھرپور اور جامع تصویر نظر نہیں آتی جیسی کہ اس مثنوی میں دکھائی دیتی ہے ۔ "اعظم نامہ" کے تفصیلی تعارف اور جائزے سے پہلے اس مثنوی کے شاعر قادر حسین جوہر کا تذکرہ ضروری ہے۔

قادر حسین جوہر کے حالاتِ زندگی : جوہر اپنے عہد کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے ۔ اُس دور کے مشہور فارسی تذکروں جیسے "تذکرہ گلزارِ اعظم" اور "اشاراتِ بینش" میں ان کے حالات موجود ہیں ۔ اس کے علاوہ "سخنورانِ بلند فکر" میں بھی ان کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے ۔ لیکن ان تذکروں میں جوہر کی کسی اُردو یا

فارسی تصنیف کا ذکر نہیں ہے۔ "مدراس میں اردو" نامی کتاب میں مولوی نصیر الدین ہاشمی نے جوہر کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ اب قدیم ذخیروں سے ان کی کتابیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان کی روشنی میں جوہر کے حالات اور ان کی تصانیف کا ایک مختصر تعارف پیش ہے۔

نام و نسب: جوہر کا اصل نام قادر حسین تھا۔ وہ شیخ داؤد جوہری کے فرزند تھے۔ نواب اعظم نے اپنے تذکرہ "گلزارِ اعظم" میں لکھا ہے کہ جوہر، میاں محمد قاسم عمدۃ التجار ناگور کے دختر زادے (نواسے) تھے[1] لیکن محمد منور گوہر نے "سخنوران بلند فکر" میں جوہر کو میاں محمد قاسم عمدۃ التجار ناگوری کا بھانجہ (ہمشیر زادہ) بتایا ہے۔

ولادت: جوہر ۱۲۳۳ھ م ۱۸۱۷ء میں ناگور میں پیدا ہوئے[2] لیکن مولف تذکرہ "اشارات بینش" نے جوہر کی جائے پیدائش شہر مدراس بتائی ہے[3]۔ مولف "سخنورانِ بلند فکر" کا بیان ہے کہ جوہر کم سنی میں اپنے والدین کے ہمراہ مدراس آگئے تھے۔ تذکرہ گلزارِ اعظم سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

تعلیم و تربیت: جوہر نے جب ہوش سنبھالا تو شہر مدراس کے اہل علم و فضل سے درسی کتابیں پڑھیں۔ سید مرتضیٰ بینش کا بیان ہے کہ جوہر نے مولوی شاہ

۱-۲ نواب محمد غوث خاں، تذکرہ گلزارِ اعظم صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ مدراس ۱۸۵۵ء

۳ سید مرتضیٰ بینش۔ اشارات بینش صفحہ ۲۸ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۳ء

میراں محی الدین واقف، میر مہدی ثاقب اور شیریں سخن خاں راقم کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا تھا۔ اور ان ہی حضرات سے مشورۂ سخن بھی کیا۔[۱] نواب اعظم کا بیان ہے کہ راقم ہی نے ان کا تخلص جوہر تجویز کیا تھا۔ محمد منور وہر نے لکھا ہے کہ جوہر کو درسی کتابیں خوب ازبر تھیں۔ درس و تدریس سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ اپنے شاگردوں کو بڑی دلچسپی سے پڑھاتے تھے۔

__ملازمت__ : میرزا عبد الباقی وفا کی بدولت جوہر محفل "مشاعرہ اعظم" میں باریاب ہوئے تھے۔ اس طرح دربارِ اعظم سے جوہر کا توسل پیدا ہوا تھا۔ اور مشاہرہ سرکاری سے بھی وہ سرفراز کے گئے تھے۔[۲] ۱۸۵۵ء میں نواب اعظم کی وفات ہوئی اس وقت تک وہ دربارِ اعظم سے وابستہ تھے۔ نواب اعظم کی وفات کے بعد درس و تدریس ہی اُن کا مشغلہ تھا۔

__وفات__ : جوہر کے سنہ وفات کا ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ مولف تذکرہ سخنورانِ بلند فکر کا بیان ہے کہ ان کی بسم اللہ خوانی کے زمانے تک یعنی ۱۲۹۲ھ م ۱۸۷۵ء تک جوہر بقید حیات تھے۔[۳] ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء سے

---

[۱] سید مرتضیٰ بینش : اشارات بینش صفحہ ۶۸ مطبوعہ دہلی ۱۹۷۳ء
[۲] تذکرہ گلزارِ اعظم صفحہ ۱۵۲ ۔
[۳] سخنورانِ بلند فکر ۔ صفحہ ۱۴۶

پیشتر جوہر کی وفات ہو چکی تھی ۔

تصانیف : تذکرہ گلزار اعظم، تذکرہ اشارات بینش، اور تذکرہ سخنوران بلند فکر، میں جوہر کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں ہے ۔ البتہ ان تذکروں میں ان کے کچھ فارسی اشعار بطور نمونہ دیئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی میں بھی شاعری کرتے تھے ۔ راقم الحروف کے پاس جوہر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی "اعظم نامہ" موجود ہے جو خود جوہر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے ۔ اس مثنوی کے علاوہ جوہر نے دو فارسی مثنویاں بھی لکھی تھیں جن کا ذکر ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے ۔ یہ دونوں فارسی مثنویاں "چمن لطایف" اور "مثنوی شادی نامہ" کتب خانہ شرقیہ حکومت مدراس (Govt, Oriental Manuscripts Library MADRAS) میں محفوظ ہیں[1] ان مثنویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے ۔

مثنوی شہ شہان یا چمن لطایف : جوہر نے ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء میں ایک مثنوی شہ شہان موسوم بہ چمن لطایف لکھی تھی ۔ اس مثنوی کی ابتداء میں حمد، نعت منقبت کے بعد نواب عظیم جاہ اور نواب اعظم کی مدح کی گئی ہے ۔ نواب اعظم کی مدح میں تین غزلیں بھی لکھی ہیں ۔ آخر میں نواب اعظم سے اُمید الطاف و کرم ظاہر

---

[1] نمبر D 128 اور D 106

کی ہے۔ اور فکرِ معاش سے اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں ؎

اے شاہ شہان ملک پرور　　　از فکرِ معاش ام نگوں سر
غیر از تو وسیلۂ ندارم　　　امید بر آر امیدوارم

اس مثنوی میں جوہر نے حسین تخلص اختیار کیا ہے اور "چراغِ بزم" سے اس کی تاریخ (۱۲۵۲ھ) نکالی ہے۔

مثنوی جوہر یا شادی نامہ ۔ نواب اعظم کی پہلی شادی ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء کے موقعہ پر جوہر نے ایک مثنوی "شادی نامہ" لکھی۔ اسے "تہنیت نامہ" یا "مسرت نامہ" بھی کہہ سکتے ہیں ؎

کہ شادی نامہ شاہنشہ خویش　　　کنم تحریر اکنوں بے کم و بیش
فریدوں فر و جم صدر جہاں است　　　شہ اعظم محمد غوث خاں است

اس مثنوی میں تقریب شادی کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ آغاز شادی، محفل ضیافت، محفل رقص و سرود، رسم سانچق، رسم مہندی، جلوس شب گشت اور رسم جلوہ کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ شب گشت کے موقعہ پر ارکان دولت، امراء، وزراء، عمائدین سلطنت کے ساتھ "شاعرانِ نکتہ پرور" بھی نوشہ کے ہمراہ جلوس میں شامل تھے ؎

ہم ارکان و امیران و وزیران، روان ہمراہ او باشوکت و شان
بصد شان قاضی الملک خوش اخلاق بہ بازو رفت با نواب آفاق

غرض قاضی الملک قاضی بدر الدولہ اور ان کے بھائی مولوی عبد الوہاب مدار الامراء دیوان ریاست، مسیح الدولہ اسلم جنگ، بخشی الملک، منور الدولہ، کریم الدین ندیم الدولہ خاں، منشی الملک، دبیر الملک، صدارت خاں، کفایت خاں، طرازش خاں، قسمت خاں، گذارش خاں، ملتمس خاں، امین الدین علی خاں، مہتم الدولہ امین الدولہ اشرف جنگ وغیرہ کے ساتھ شاعران نکتہ پرور میں وفاؔ، قدرتؔ، واقفؔ، والاؔ، خالصؔ، مخلصؔ، ثاقبؔ، بینشؔ، احمدیؔ، فرحتؔ، بلیغؔ، احسنؔ، واصفؔ، محاسنؔ، ذہینؔ، قدیرؔ، منتظرؔ اور جوہرؔ بھی جلوس میں شامل تھے۔

رسم جلوہ شان و شوکت سے انجام پانے کے بعد تمام ادنیٰ و اعلیٰ کو حسب مراتب انعام و خلعت ہائے زریں سے نوازا گیا۔ جوہرؔ بھی انعام خلعت کی خواہش اور خود کو "زمرۂ خدام درگاہ عالی" میں شامل کرنے کی استدعا کرتے ہیں ؎

مرا ہم زود تر از لطف رحمت مشرف کن بشاز انعام خلعت
ہمیں دارم امید از لطف اے شاہ کہ گردم داخل خدام درگاہ

جوہرؔ کا "شادی نامہ" بڑا مقبول ہوا۔ چنانچہ اس وقت کے ممتاز شعراء جیسے

محمد حسین راقم، عبدالباقی وفا، مہدی ثاقب، مرتضیٰ بینش، غلام دستگیر مسعود، عبدالفتاح منتظر اور غلام احمد احمدی نے اس مثنوی کے بحسن وخوبی اختتام پر تاریخیں لکھی تھیں۔ جو اس مثنوی کے آخر میں شامل ہیں۔

اُردو شاعری: جوہر نے اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ فارسی شاعری کے لئے انھوں نے حسین، جوہر اور جوہری تخلص استعمال کئے ہیں جب کہ اُردو شاعری کے لئے صرف جوہر تخلص اختیار کیا۔ آج جوہر کا اُردو کلام مثنوی "اعظم نامہ" اور دو چار غزلوں کے سوا کہیں اور نہیں ملتا۔

مثنوی اعظم نامہ: مثنوی "اعظم نامہ" جوہر نے اپنے ایک کرم فرما غلام محمد شاہ فرزند ضیاء الدین کی فرمائش پر ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء میں نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کی وفات کے فوری بعد منظوم کی تھی۔ اس مثنوی میں نواب موصوف کی ولادت سے لے کر وفات تک کے حالات زندگی نظم کئے ہیں۔ اس مثنوی میں چالیس صفحات اور تین سو اٹھانوے اشعار موجود ہیں۔ افسوس اس کتاب میں درمیان سے دو اوراق غائب ہوگئے ہیں۔ قدیم مخطوطات میں راقم کی تلاش جاری ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی چار سو پچاس ابیات پر مشتمل تھی۔ مثنوی کا نام کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ صرف آخری شعر میں نام کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے ؎

مرے سے مثنوی آخر ہوئی جب ۔۔۔ رکھا نام اس کا اعظم نامہ میں تب

غلام محمد شاہ اور اُن کے والد ضیاء الدین صاحب کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ جوہر کا بیان ہے کہ غلام محمد شاہ فارسی اور ہندی (اُردو) دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ جوہر نے ان کے اخلاق و عادات کی بڑی تعریف کی ہے۔ انھیں معدنِ الطاف و اشفاق بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ عبادتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف رہتے ہیں۔ انھوں نے جوہر سے نواب اعظم کے کچھ حالات لکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ اُن کے حکم کی تعمیل میں جوہر نے یہ مثنوی لکھی ؎

مرے یک مہرباں ہیں رحم فرما ۔۔۔ اُنھوں کا مجھ پہ بابِ لطف ہے وا

محمد شاہ اُن صاحب کا ہے نام ۔۔۔ انھوں کا ہی (ہے) مروت سے سدا کام

محمد شاہ پر لفظِ غلام اب ۔۔۔ لگا دے تا عیاں ہو سارا نام اب

ہمیشہ مثلِ طوطی ہیں شکر خا (شکر خور) ۔۔۔ فدا اُن کی صدا پہ دل ہی سب کا

ضیاءُ الدین صاحب کے ہیں فرزند ۔۔۔ کمندِ خلق میں اُن کے ہی دل بند

بہی ہندی فارسی میں خوب ہیں طاق ۔۔۔ ہیں بے شک معدنِ الطاف و اشفاق

ہیں کرتے بندگی حق کی سحر شام ۔۔۔ تلاوت سے (بے) ہمیشہ اُن کو ہی کام

کرے گل شاخِ خامہ اُن کا جب کل ۔۔۔ فدا شیراز کی اس پر ہو بُلبُل

کہے مجھ کو کہ لکھ کچھ حال اعظم　　رہے تا نام تیرا ثبت (ہمیشہ) بعالم

سُنا جب حکم اُن مشفق کا خوش ہو　　دیا میں انتظام اس مثنوی کو

کتاب کے آخر میں نواب اکرام الدولہ کے فرزند محمد سرور حسین اکمل اور مدراس کے مشہور شاعر سید عبداللطیف لطف کے تاریخی قطعات درج ہیں جن سے ۱۲۷۲ھ تاریخِ تصنیف نکلتی ہے.

مثنوی" اعظم نامہ" حمد و نعت سے شروع ہوتی ہے جس کے ہر شعر سے خلوص اور عقیدت نمایاں ہے. مثنوی میں سات عنوانات ہیں جو دو مصرعوں کی صورت میں درج ہیں۔ ان مصرعوں میں" ساقی" سے خطاب کیا گیا ہے. اور انھیں سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے. ان مصرعوں میں قصہ کا خلاصہ دیا گیا ہے. مثنوی کی ابتداء میں نواب اعظم جاہ والی ریاست ارکاٹ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شان و شوکت سے حکومت کرنے کے باوجود انھیں" شمع دولت" یعنی فرزند نہ ہونے کا غم تھا۔ وہ بزرگوں کو نذرانے بھیجتے، درگاہوں کی زیارت کرنے اور اولیاء اللہ سے فرزند عطا کرنے کی دعا کرتے تھے ؎

تھا اعظم جاہ کرناٹک کا نواب　　اُسی سے خلق تھے سب مدعا یاب

اطاعت میں تھے اس کے خاص اور عام　　تھا اس کو کام بخشش کا سحر شام

عجب حشمت عجب تہی شان و شوکت　　ولیکن کوی نہیں تھا شمع دولت

نہ کوی قایم مقام اُس کا شاہ کا تھا　　اسی باعث سے غم میں تھا سراپا
کیا پیراں شہیداں کی منت　　کہ تا پیدا ہو کوئی یک شمع دولت
بزرگوں کو نیاز و نذر بھیجا　　کہ تا وارث ہو اس دولت کا پیدا
چراغاں بھیجتا تھا گہی (دکھی) کے یکسر　　ہمیشہ مسجدوں میں مرقدوں پر
کیا قادر ولی[1] کی جا زیارت　　رکھ اپنے دل میں پاک و صاف نیت

غرض بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد وارثِ سلطنت پیدا ہوا ۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں ۔ اس کی پوری تفصیل مثنوی میں موجود ہے ۔ نام رکھائی کی تقریب کا بھی ذکر ہے ۔ جوہر اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں ؎

منجم اہلِ دعوت اور رمّال　　مشائخ ذی کمال اور صاحبِ فال

---

[1] حضرت عبدالقادر ناگوریؒ (متوفی ۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) نادر ولی کے نام سے مشہور ہیں ۔ آپ حضرت غوث گوالیاریؒ کے مرید تھے ۔ جنوبی ہند میں آپ کا مزار سب سے زیادہ فیض رساں مانا جاتا ہے ۔ نواب اعظم جاہ کے سفر ناگور کو اس وقت کے مشہور شاعر نادرؔ نے مثنوی کی صورت میں منظوم کیا تھا ۔ یہ مثنوی جو اب تک غیر مطبوعہ ہے ادارۂ ادبیاتِ اُردو میں محفوظ ہے ۔ ڈاکٹر قطب النساء ہاشمی اپنی کتاب "تین مسافر" میں اس مثنوی کے متعلق لکھتی ہیں :
"مثنوی نادرؔ کہنے کو نواب اعظم جاہ والی ارکاٹ کا سفر نامہ ہے لیکن اس میں مشاہیر عہد کے حالات، مقامی، معاشی اور سماجی واقعات سے متعلق بیش بہا معلومات ہیں ۔"

بہم ہو جمع باصد عیش و عشرت	دل اچھا دیکھ کر اور نیک ساعت
محمد غوث خاں نواب رکھ نام	لگے پانے کنتین لاکھوں سے انعام

جب نواب محمد غوث خاں سوا سال کے ہوئے تو ۱۳ر نومبر ۱۸۲۵ء کو نواب اعظم جاہ نے انتقال کیا۔

سوا سال اس پہ جب گذرا قضا را	تب اعظم جاہ باپ اُس کا سدھارا
لگے رونے کو یہہ کچھ ہل کے عالم	بہا آنکھوں سے دریا اُن کے اُس دم

چچا عظیم جاہ اور ماں کے سایے میں ان کی پرورش ہوئی۔ نواب عظیم جاہ سترہ سال تک کے لیے ریاست کے نائب مختار مقرر کئے گئے تھے۔

چچا تھا نائب مختارِ دولت	تھا اس کے ہات کار و بارِ دولت
چچا اور ماں کے سائے میں پلا وہ	تھا رہتا رات دن چنگا بھلا وہ

نواب محمد غوث خاں جب اٹھارہ سال کے ہوئے تو ان کی تخت نشینی کی رسم بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئی۔ گورنر مدراس لارڈ الفنسٹن (جو ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۲ء تک مدراس کے گورنر رہے) کے علاوہ اہلِ نوایط، کالیستھ، ہندو اور برہمن امراء بھی بن ٹھن کر خوشی خوشی اس جشن میں شریک ہوئے۔ اس جشن کی پوری تفصیل مثنوی میں دی گئی ہے۔ تخت نشینی کی تاریخ بھی منظوم کی گئی ہے۔

اٹھارہ سال کا وہ مہ ہوا جب　　بٹھائے تخت شاہی پر اُسے تب
بٹھا کر تخت پر شہ کو بیکدم　　تھا الفنسٹن گورنر شاد و خرم
نوابط کابیت اور ہندو برہمن　　صفاں باندھے تھے بیٹھے جملہ بن ٹھن
یہاں کے جمع ہو انگریز باہم　　خوشی اور خرمی کرتے تھے ہردم
ہزار و دو صد اور اٹھاون ای یار ۱۲۵۸　　سن ہجری تھا عالم میں نمودار
سترویں ماہ رجب کی تھی اُس دم　　کہ جس دم تخت پر بیٹھا وہ اعظم

غرض ۱۷ رجب ۱۲۵۸ھ م ۱۸۴۲ء کو تخت نشینی ہوئی۔ اس کے چھ سال بعد ۲۶ رجب ۱۲۶۴ھ م ۲۸ جون ۱۸۴۸ء کو نواب محمد غوث خاں اعظم کی شادی اُن کی ماموں زاد بہن نواب خیر النساء بیگم سے ہوئی جن کے آباء و اجداد سرکار آصفیہ میں اُمرائے معزز و نامدار سے تھے۔ اُن کے دادا کو ضیاء الدولہ بہادر اور اُن کے والد کو ضیاء الملک بہادر کا خطاب حاصل تھا۔ جوہر نے مثنوی میں اس شادی کا ایک دلچسپ مرقع پیش کیا ہے۔ انھوں نے اپنی مثنوی میں واقعات کی ایسی پُر اثر عکاسی کی ہے کہ نظروں کے سامنے مناظر متحرک ہو جاتے ہیں۔ ہر مرقع پر انھوں نے تاریخیں بھی مرتب کی ہیں۔ نواب اعظم کی شادی کی تاریخ انھوں نے اس طرح کہی ہے ؎

ہزار و دو صد اور چونسٹھ (۱۲۶۴) میں آغاز — کیئی نواب کی شادی بصد ناز

تھی ساعت نیک اور تھا ماہِ رجب — باہم رسماں سبھی کرنے کو دل تب

شادی کے موقعہ پر ضیافت اور رقص و موسیقی کی محفلوں کی پوری تفصیل انہوں نے دی ہے جس سے اس عہد کی طرزِ معاشرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء میں نوابِ اعظم کا انتقال ہوا۔ بیماری، وفات اور جلوسِ جنازہ کی ساری تفصیلات اس مثنوی میں موجود ہیں۔ بعض ایسے واقعات کا تذکرہ بھی اس میں ملتا ہے جو کسی تاریخ میں نہیں ملتے ؎

تھا اس کی عمر کا بتیسواں (۳۲) سال — زمانے کا تھا حاتم وہ ہما فال

گیا پھوٹ اس کا جامِ کامرانی — نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی

نوابِ اعظم کے سانحہ ارتحال پر شاہی محل میں کہرام مچ گیا۔ اس رنج و غم کو شاعر نے بڑے پُر درد انداز میں بیان کیا ہے ؎

محل میں تھا اُدھر یک غم کا چرچا — اِدھر مردان میں تھا یک شور و غوغا

تھے باہم جمع جو رستے پہ عالم — مچلے تھے عجب یک شورِ ماتم

کوئی کہتا تھا کہ آنکھوں کتیں تر — کوئی جادو کا مُٹھ پھیکا ہے شہ پر

کوئی کہتا نہ ٹونا ہی نہ جادو — فقط کوی زہر دے مارا ہی اس کو

خلائق سب لگے کرنے کو ہیہات بہم کئے طرح کی کرتے تھے ٹل بات

نواب اعظم کے جلوس جنازہ کے راستہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی گھوڑے سوار فوج دو طرفہ صفیں باندھے سیہ لباس اور ہاتھوں میں تلوار لئے آخری سلامی کے لئے غم میں سوگوار کھڑی تھی ؎

تھے آکر کمپنی کے بھی سواران کھڑے مجرے کو شہ کے غم سے گریاں
دو طرفہ باندکر صف ادہر ادہر کھڑے تھے جمع ہو با دیدۂ تر
لباس اُن کا سیہ ہاتھوں میں تلوار وہ غم کا حال مجھ سے پوچھ مت یار
جنازہ دیکھ کر گھوڑے سواران کرے قانون سے مجرا ہو گریاں
عجب غم کا سمایا ہو گیا تھا جدہر دیکھے اُدہر چرچا تھا غم کا

جوہر نے نماز جنازہ اور تدفین کا بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

جب مسجد میں پہنچا وہ جنازہ لگا ہونے کو ماتم ایک تازہ
کسو نے دہر کے اپنے منہ پہ رومال یہہ کچھہ رویا کہ آنکھیں ہو گئیں لال
تھے کہتے کر کے ماتم خاص اور عام محمد غوث خاں کا گم ہوا نام
زمیں و آسماں روتے تھے باہم بڑے چھوٹے بہم کرتے تھے ماتم

نماز اُس کے جنازے کی پڑھے جب
چلے لے سوئے مرقد شاہ کو تب

بڑی مسجد میں ہے ہڈوارڈ اُس کا
ہوا مدفون اسی باعث سے اُس جا

مسجدِ والا جاہی کے وسیع احاطہ میں خاندان والا جاہی کا ایک ہڈوارڈ (خاندانی قبرستان) ہے - یہیں نواب اعظم کی تدفین اُن کی والدہ کے پہلو میں عمل میں آئی -

بن اس کے پہلوئے مادر تھا خالی
کیا جا اُس میں جا کر شاہِ عالی

نواب اعظم کی تدفین کے بعد خلق کی حالت جوہر نے یوں بیان کی ہے ؎

پھرے مدفون کر جب خلق اس کو
جہاں ویران نظر آتی تھی ہر سو

کیا مرقد میں اودھر اپنی منزل
ادھر عالم کو چھوڑا کر کے بسمل

ان ہی اشعار پر " اعظم نامہ " کا اختتام عمل میں آتا ہے :

اعظم نامہ کی ادبی اہمیت

مثنوی " اعظم نامہ " سے نواب محمد غوث خاں بہادر اعظم کے عہد کی طرزِ معاشرت اور سیاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس مثنوی میں اُن کی پیدائش، تخت نشینی، شادی، ضیافت، رقص و موسیقی کی محفلوں ان کی موت کی تفصیلات بھی ملتی ہیں - تاریخ کی کتابوں میں بھی ہمیں اُس

دور کی ایسی بھرپور اور جامع تصویر نظر نہیں آتی جیسی کہ اس مثنوی میں دکھائی دیتی ہے۔ اس مثنوی کی اہم خصوصیت حقیقت نگاری، تسلسل بیان، وصف مکان و زماں، مناظر اور نفسی کیفیات کی توضیح و تشریح ہے۔ یہ مثنوی اپنے عہد کے ماحول اور معاشرت کی بولتی تصویر ہے اس میں نہ مبالغہ آرائی ہے اور نہ کوئی خلاف حقیقت واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جوہر نے اس مثنوی میں والاجاہی تہذیب کے خدوخال بڑی خوبصورتی سے پیش کیے ہیں۔ جوہر کو منظرکشی اور محاکات نگاری میں کمال حاصل ہے۔ ان کی توضیحی بیانات میں جزئیات نگاری کے عنصر نے صداقت اور اصلیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جوہر نے نواب اعظم کی تخت نشینی اور اُن کی شادی کے موقع پر ضیافت اور محفل رقص و موسیقی کے جو واقعات اور مناظر کی متحرک اور گویا تصویریں پیش کی ہیں اُن سے والاجاہی عہد کے تہذیبی مظاہر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔

جوہر کو سراپا نگاری پر بھی قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے اس مثنوی میں نواب اعظم کے حسن کا بڑا دلنواز مرقع پیش کیا ہے۔ نادر اور اچھوتی تشبیہات نے سراپا کو حقیقت پسندانہ اور پُر اثر بنا دیا ہے۔ اس کے علاوہ مثنوی میں جوہر نے بڑے اعتماد اور سلیقے کے ساتھ صنائع بدائع کا استعمال کیا ہے۔

رعایت لفظی، مراعات النظیر اور مناسب و برمحل تشبیہات و استعارات نے جوہر کے شاعرانہ بیانات کو بڑی معنویت عطا کی ہے۔ جوہر کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے جابجا اپنے عہد کی زبان میں استعمال ہونے والے محاوروں کو بڑی خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے ؎

ہلال ابرو، گہر دنداں صدف گوش — چمک ہنسنے میں برق خرمن ہوش

وہ بادامی دو آنکھیں دام گویا — سراسر تھے شرابی جام گویا

گیا پھوٹ اس کا جام کامرانی — نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی

<u>صرفی تجزیہ</u> : اعظم نامہ لسانی اعتبار سے ایک عمدہ اور دلچسپ مثنوی ہے۔ جوہر دکنی کے عام صرفی اور لسانی اصولوں پر کاربند نظر آتے ہیں۔

<u>اسم کی جمع</u> : اسم کی جمع بنانے کے لئے دکنی زبان میں عام طور پر 'ا' اور 'ن' کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے فقیر سے فقیراں، امیر سے امیراں وغیرہ۔ جوہر نے بھی جمع بنانے کے اسی عام اصول پر بہ کثرت عمل کیا ہے۔ جیسے

*ہوئے چھٹی کے اور چلے کے <u>رسماں</u> — بصد حشمت بصد شوکت بصد شاں

<u>فقیراں</u> اور <u>امیراں</u> بے <u>نوایاں</u> — <u>غریباں</u> <u>بیکساں</u> بے دست و <u>پایاں</u>

<u>گھراں</u> میں <u>عورتاں</u> باہر سے <u>مرداں</u> — تھے روتے پیٹ کر سینے کو ہر آں

واحد مذکر کی جمع : جوہر نے بعض جگہ واحد مذکر کی جمع (یں) کے اضافہ سے بنائی ہے۔ جیسے شربت سے شربتیں ؎

بہی رنگا رنگ کے شیشے دہرے تھے
اُنہوں میں شربتیں یکسر بھرے تھے

جنس۔ (مذکر۔ مونث) : جوہر نے دکنی روایات کے مطابق بعض مونث الفاظ کو مذکر استعمال کیا ہے۔ جیسے ؎

لکھوں کیوں کر میں مجلس کا تماشا
نہ جس کو ابتدا تھا انتہا تھا

علامت فاعل : علامت فاعل "نے" ہے۔ دکنی ادب پاروں میں اس علامت کا استعمال یا تو سرے سے مفقود ہوتا ہے یا شاذ و نادر ہی اسے برتتے ہیں۔ چنانچہ جوہر نے بھی اپنی مثنوی میں علامت فاعل "نے" کا بہت کم استعمال کیا ہے اور جہاں کیا ہے وہاں غلط استعمال ہوا ہے ؎

یہ سن دادی نے آئی ہو کے غم ناک
بہ لب نالہ بہ دل غم دیدہ نم ناک

ضمیریں : دکنی میں ضمیریں اور ان کے روپ بہت ہیں۔ "اعظم نامہ" میں کئی جگہ ضمیرِ شخصی جمع غائب "وہ" کے لئے "وے" اور "وہے" استعمال ہوا ہے جیسے

وے رو رو بی بیاں دامن کو کر نم
تسلی اُسکتیں دیتے تھے ہر دم

تماشائی جدھر دیکھے اُدہر کو
وہے رتھا موں پہ کھولے تھے نظر کو

اس طرح ضمیر تنکیر "کس" کے لئے "کسو" استعمال ہوا ہے۔ جیسے ؎

کسو نے دہر کے اپنے منہہ پہ رومال — یہہ کچہہ رو یا کہ انکہیں ہوگئیں لال

کسو کے تن میں یکسر سرخ پشواز — کوئی پہنی تہی عباسی بصد ناز

کوئی تہی تالیاں ہر دم بجاتی — کسو کی تان پر کوئی سر ہلاتی

ضمیر شخصی متکلم واحد "اپنے" "آپ" کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے ؎

محمدؐ خود اپنے فرمائے ایسا — مجھے جس نے کہ دیکھا رب کو دیکھا

صرف اضافت : جوہر نے مثنوی میں کئی جگہ صرف اضافت کا استعمال ہی نہیں کیا ہے۔ جیسے ؎

اُسکے عشق کا کر شمع روشن — یہہ جگنے اُڑتے پہرتے ہیں بہ گلشن

پہلے مصرع میں "کر" کے بعد "کے" ہونا چاہیئے۔ اسی طرح انہوں نے لکھا ہے ؎

صراحی میں لے پانی چند مہ رو — پلاتے تہے اِدہر ادہر بہر سو

نماز اس کے جنازے کی پڑے جب — چلے لے سوئے مرقد شاہ کو تب

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں اور دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں "لے" کے بعد "کر" ہونا چاہیئے تھا۔

قدیم املا : ساری مثنوی میں جوہر نے ہائے مخلوط یا دو چشمی (ھ) کے بجائے

ہائے ہوز (ہ) یعنی کہنی دار (ھ) کا استعمال کیا ہے۔ جیسے تہی (تھی) تہا (تھا) تہے (تھے) کچہہ (کچھ) مجہے (مجھے) دیکہا (دیکھا) رکہہ (رکھ) پہرتے (پھرتے) مٹہائی (مٹھائی) اور بہیجی (بھیجی) وغیرہ۔ یہی املا اس مطبوعہ مثنوی میں برقرار رکھا گیا ہے۔ اس مثنوی میں یائے مجہول (ے) کی جگہ یائے معروف (ی) کا استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ "ہے" کے لئے "ہی" استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کئی جگہ یائے معروف کے نیچے دو نقطے (ي) بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ املا بھی اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔

جوہر نے املا کے لحاظ سے تحریر میں عام بول چال کے لفظ کو من وعن قبول کرلیا ہے۔ جیسے انہوں نے "سیٹھ" کے بجائے "سیٹ" اور "کیمیا" کے بجائے "کیما" استعمال کیا ہے۔ یہ طریقہ قدیم دکنی روایات کے عین مطابق ہے۔ جوہر لکھتے ہیں ۔

جو عاجز تہے غروري سے وہ تن گئے — غنی جیوں سا ہوان اور سیٹ بن گئے

تہی اس کی ذات بعنی کیما کی — جو تانبا تہا اس کو زر بنا دي

اسی طرح ایک جگہ بلحاظِ املا "ازدحام" کے بجائے "اژدہام" استعمال کیا ہے ۔

نظر دیکہتا جس جا اودہر کو — نظر یک اژدہام آتا تہا ہر سو

اعداد : اعداد کے لحاظ سے بھی جوہر نے اپنی مثنوی میں (۵) کو ترک کر دیا ہے اور بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔ ایک کے لئے 'یک' لاکھ کے لئے لک سترھویں کے لئے 'سترویں' استعمال کیا گیا ہے ؎

تھی پیلی دھوپ کچھ یک وہاں تہاں ___ لیا تہا روپ یک تازہ گلستاں

فقیراں سب اسی سے لک پتی بن ___ لگے اینٹھے ہوئے پھرنے کو تن تن

متروک الفاظ : "اعظم نامہ" میں ایسے الفاظ خاصی تعداد میں ہیں جن کا استعمال جدید اردو میں متروک ہے۔ جیسے تئیں (خاطر، لئے، واسطے) کیتئیں (کے لئے، کے واسطے) کبھو (کبھی) تسپر (اس پر) اور پلے (بلے) وغیرہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

محمد غوث خاں نواب رکھہ نام ___ لگے پانے کتئیں لاکھوں سے انعام

خیال اس شاہ کے شادی کا لائی ___ بھتیجی کیتئیں اپنے بلائی

ہوئے سب نوکراں اور آپکے تئیں ___ ضمانت میں خدا کے اب دیا ہیں

کبھو ماتھے پر انگلی گاہ لب پر ___ کبھو انچل کو لے منھ پہ سراسر

ہزاروں خادماں نت پلے کم دکانت ___ لگے رہتے پس و پیش و چپ و راست

قد و قامت تہی اس کی یک قیامت ___ تہی تنک گی کنی تسپر ملاحت

غرض "اعظم نامہ" پر دکنی رنگ نمایاں ہے۔ اگر ان قدیم دکنی الفاظ کو خارج کر کے دیکھا جائے تو یہ مثنوی موجودہ دور کی معیاری زبان کہلانے کی مستحق ہے۔ طرزِ بیان کے لحاظ سے یہ مثنوی اپنے عہد کی ایک بہترین مثنوی ہے۔ اگرچہ بعض جگہ مصرعوں میں جھول نظر آتا ہے لیکن بعض مقامات پر مصرعوں کی بندش اور چستی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

صوتی تجزیہ

مثنوی "اعظم نامہ" بحر ہزج مسدس محذوف، مفاعیلن مفاعیلن مفعولن کے وزن پر ہے۔ یہ فارسی کی ایک قدیم صنف "ترانہ" کے وزن پر ہے — علامہ اقبال نے اس وزن پر چار مصرعوں والی کئی نظمیں لکھی ہیں اور ان کو رباعی کہا ہے[1]۔ بحر ہزج بڑی موسیقیت رکھتی ہے۔

<u>انفی مسموع مصمتے</u>: مثنوی اعظم نامہ میں انفی مسموع مصمتے ن اور م کی مشترک آوازیں قافیوں میں بکثرت استعمال کی گئی ہیں جس سے ساری مثنوی میں ایک تاثراتی فضا چھائی ہوئی ہے۔ اس مثنوی کا پہلا شعر ہے ؎

عجب قادر ہے وہ خلاقِ معبود ۔۔۔ اسی سے خلق ہیں موجود و نابود

---

[1] شمس الرحمٰن فاروقی: عروض اور رجحانات۔ ص ۱۱۸ (درس بلاغت) ترقی اردو بیورو دہلی ۱۹۸۱ء

اس شعر کے پہلے مصرعے میں معبود اور دوسرے مصرعے میں نابود قوافی استعمال کئے گئے ہیں۔ ان قوافی کے حرف "م" اور "ن" سے شروع ہوتے ہیں جو "انفی مسموع مصمتے" ہیں اور آخر میں "د" بھی مسموع ہے۔ اس سے مثنوی کے صوتی آہنگ میں غنائی صورت پیدا ہوگئی ہے۔

اس مثنوی کے دوسرے شعر میں ؎

کرے ہے ہی نیستی کو گاہ ہستی　　　کرے ہی گاہ ویرانے کو بستی

ہستی اور بستی قوافی استعمال کئے گئے ہیں جس کے آخر میں "ی" حرفِ علت ہے۔ اس شعر کے ہر مصرعے میں پانچ مرتبہ حرفِ علت "ی" کا استعمال ہوا ہے اور دونوں مصرعوں میں حرفِ علت برابر برابر تقسیم بھی کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے موسیقی کی ضرورت کے مطابق انھیں کھینچ کر پڑھا جا سکتا ہے۔ پروفیسر مسعود حسین خاں رقم طراز ہیں: "حرفِ علت کی کمی بیشی شعر کی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چھوٹی یا طویل بحروں میں حزن و یاس کی کامیاب ترجمانی کا انحصار بہت کچھ حروفِ علت کی کثرت پر ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] پروفیسر مسعود حسین خاں، مطالعۂ شعر (صوتیاتی نقطۂ نظر سے) ص ۲۲۳ (اردو میں لسانیاتی تحقیق)

مثنوی اعظم نامہ میں حروفِ علت کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور اس مثنوی کی چھوٹی بحر حزن و یاس کی کامیاب ترجمانی کرتی ہے۔ اس مثنوی کا ایک اور شعر ہے ؎

دواتِ لالہ پُر ہی از سیاہی   لکھنے نا حمد بے حدِّ آلٰہی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں حرفِ علت "ی" تین بار اور دوسرے مصرعے میں بھی تین بار استعمال کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دونوں مصرعوں میں اضافت بھی تین بار استعمال کی گئی ہے جس سے شعر کے صوتی آہنگ میں توازن پیدا ہو گیا ہے۔

اسی طرح پوری مثنوی میں "ی" نیم مصوتہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جس کا تعلق حنکی سے ہے۔ اس کی ادائی میں بندش پیدا ہوتی ہے۔ بندشی اصوات دوسرے اصوات کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ان ہی اصوات کی وجہ سے ایمائی اور محاکاتی تاثر پیدا ہوتا ہے۔ جوہر نے اس خصوصیت کا بڑے موثر انداز سے فائدہ اٹھایا ہے۔

ارتعاشی اور صفیری مصمتے: "اعظم نامہ" میں ارتعاشی اور صفیری مصمتوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ جہاں ارتعاشی مصمتوں سے بحر میں صوتی رمز پیدا ہوتا ہے۔ وہاں صفیری مصمتوں سے جذبات میں شدت کا اظہار

ہوتا ہے۔ اس سے صوتی آہنگ میں ایک تاثر اور کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

"اعظم نامہ" کا ایک شعر ہے ؎

نہیں ہی پلے شرار عشق کوئی سنگ ہی ہر شے میں اُسی کے عشق کا رنگ
اس شعر میں ارتعاشی مصمتے (ر) اور صفیری مصمتے (س ش) کے استعمال سے فطری تاثر پیدا ہو رہا ہے۔

کوزی مصمتے : "اعظم نامہ" میں کوزی مصمتے کا کم استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ یہ آوازیں زور، جوش، سختی، تشدد اور بعض کیفیات کے اظہار میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن مناسب طور سے اس کا استعمال بھی ضروری ہے۔ جوہر نے مشکل سے بارہ یا تیرہ بار ہی ان مصمتوں کا استعمال کیا ہے۔ لیکن اس کے استعمال میں اصوات کی رمزی کیفیات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

لئے لاکھوں جو تھے کوڑی کو محتاج خوشی کے ملک کا کرنے لگے راج

پڑھا یاسین کا سورہ بیکدم وہ اپنے پر سراسر کر لیا دم

پڑھا اس نیلوفر پر جب گھڑی آب عجب یک حسن کا اس پر کھلا باب

جنازہ دیکھ کر گھوڑے سواراں کرے قانون سے مجرا ہو گریاں

بڑی مسجد میں ہی (ہے) ہڈرواڑ اس کا ہوا مدفون اسی باعث سے اُس جا

ڈاکٹر مغنی تبسم نے اپنے ایک مضمون " اصوات اور شاعری" میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ " قافیہ یا ردیف مختتم صوت /م/ ، /ن/ ، /ر/ یا /ل/ جیسے بجتے ہوئے مصمتے ہوں تو ردیف و قوافی زیادہ خوش آہنگ ہوتے ہیں" [1]

اس طرح دیکھا جائے تو اس مثنوی میں جوہر نے زیادہ تر ایسے ہی مصمتے پر توجہ دی ہے جس کی مختتم صوت م ، ن ، ر اور ل ہے جس کا اظہار مثنوی کے مطالعے سے ہو سکتا ہے ۔

غرض صوتی آہنگ کے لحاظ سے یہ مثنوی اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتی ہے ۔ جوہر نے غیر ارادی طور پر ہی صحیح تسلسل کو برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔

---

[1] پروفیسر مغنی تبسم : اصوات اور شاعری ۔ ص ۳۵۱ ۔ (اُردو میں لسانیاتی تحقیق ، مرتب پروفیسر عبدالستار دلوی) مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۱ء

مثنوی اعظم نامہ

سنہ ۱۲۷۲ھ

۱۸۵۵ء

قادر حسین جوہر

ل

مثنوی اعظم نامہ

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر وتمم بالخیر وبہ نستعین ترجمہ: اے رب میرے لئے آسان کر اور خیریت سے پورا کر ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں (قرآن)

عجب قادر ہی[1] وہ خلاقِ معبود — اُسی سے خلق ہیں موجود و نابود
کرے ہی نیستی کو گاہ ہستی — کرے ہی گاہ ویرانے کو بستی
کبھو[2] ہستی پہ وہ خلاقِ یکتا — لگا دیتا ہی نقطہ نیستی کا
جہاں تک[3] عشق ہی اور عشرت و غم — ہی قبضے میں اُسی یکتا کے ہر دم
کبھو دیتا ہی غم شادی کبھو وہ — رواں کرتا ہی فرمان سو بسو وہ
مئے نور اُس کا ہی در ساغرِ گل — کباب اُس پر ہی اِس باعث سے بلبل
ہی قمری کو اُسی کا ذوق اور شوق — اُسی کے عشق کی پہنی ہی یک طوق
اُسی کے عشق کا کر شمع روشن — پھر جگنے[4] اُڑتے پھرتے ہیں بہ گلشن
اُسی گل کے محبت کا لے دیوان — سدا مرغِ گلستاں ہی غزل خوان
نہیں ہی بِے[5] شرارِ عشق کوئی سنگ — ہی ہر شے میں اُسی کے عشق کا رنگ

[1] ہے [2] کبھی [3] تک [4] جگنو [5] بغیر

پرندے عشق کا رشتہ لیے ہر آن | کریں مسطر برا اوراقِ درختان

دواتِ لالہ پُر ہی از سیاہی | لکھے تا حمد بے حد الٰہی

یہہ کچھہ رکھتی ہی جوشِ عشق دریا | لبِ دریا پہ کف ہوتا ہی برپا

اُسی کے عشق میں ہر لحظہ سیلاب | سراسر مضطرب ہی مثلِ سیماب

اُسی کے شوق میں بالائے دریا | حباب آنکھہ اپنی کرتا ہی سدا وا

دے ساقی بادۂ خورشید نور اب | پلا میرے تئیں[۱] جامِ طہور اب

کہ اب مجھکو ہی کارِ نعت درپیش | سناتا ہوں میں لکھہ کر بے کم و بیش

محمدؐ باعثِ امن و امان ہی | محمدؐ چارۂ بے چارگان ہی

بلا[۲] عین اُس کے تئیں جانو عرب ہی | بغیر از میم کے احمد لقب ہی

جو ہی انجان احمد اُس کو جانے | پہ سمجھے جو احد اُس کو پہچانے

محمدؐ مصطفٰے کے فیض سے یار | خلیل اللہ پر ہی نار گلزار

اُنہوں کے نور کا ہی فیض بےشک[۳] | کئے آدم کتئیں[۴] سجدہ ملائک

بایں[۵] محبوسئے خود یوسفِ نیک | غلام زر خریدہ اُن کا تھا ایک

محمدؐ خود اپنے[۶] فرمائے ایسا | مجھے جس نے دیکھا رب کو دیکھا

---

۱ تک، واسطے ۲ "ع" کے بغیر ۳ لے ۴ کیلئے، کے واسطے ۵ آپ ۶ کنواں

مرے ہر مو کو گر پیدا زباں ہو — ادا اس کی ثنا کب ہو سرِ مو
نبی پر ہو درودِ حق فراواں — اور اُن کی آل و یاران پر ہر آن
خدایا کیجیے جوہر کو سرافراز — کر اُس پر لطف کے ابواب بے باز
بحقِ مصطفیٰ ؐ اور فاطمہ ؓ تو — بصد خوبی کر اُس کا خاتمہ تو

مجھے ای ساقیٔ[۱] پُر لطف و اتفاق — پلا وہ مے کہ ہوں میں جس کا مشتاق
سُنا کیفیتِ نوابِ اعظم — جہاں کو خرمی دیتا ہوں اور غم
تھا اعظم جاہ[۲] کرناٹک[۳] کا نواب — اُسی سے متعلق تھے سب مدعایاب
اطاعت میں تھے اس کے خاص و عام — تھا اُس کو کام بخشش کا سحر شام
عجب حشمت عجب تھی شان و شوکت — ولیکن کوئی نہیں تھا شمعِ دولت
نہ کوئی قائم مقام اُس شاہ کا تھا — اِسی باعث سے غم میں تھا سراپا
کیا پیرانِ شہیداں کی وہ منت — کہ تا پیدا ہو کوئی یک شمعِ دولت
بزرگوں کو نیاز و نذر بھیجا — کہ تا وارث ہو اس دولت کا پیدا
بھرا تھال بھیجتا تھا گھی[۴] کے یکسر — ہمیشہ مسجدوں میں مرقدوں پر

---

[۱] اے [۲] نواب اعظم جاہ (نواب ارکاٹ سنہ ۱۸۲۰ء تا ۱۸۲۵ء)
[۳] مغلیہ صوبہ کرناٹک (علاقہ تامل ناڈو) [۴] گھی

کیا قادر ولی کی جا زیارت[1] ۔۔۔ رکھہ اپنے دل میں پاک و صاف نیت
ہوا فضلِ خدا جس دم نمودار ۔۔۔ ہوا باغِ اُمید اُس شہ کا پُر بار
جو گذرے نو مہینے باسعادت ۔۔۔ ہوا پیدا گُلِ باغِ ریاست[2]
طوایف آ خوشی سے ناچتے تھے ۔۔۔ لے ساز ندے بھی سازاں باجتے تھے
تھے ہوتے جا بجا تقسیم جوڑے ۔۔۔ دو شالے نوکراں پہرتے تھے اوڑھے
جدہر دیکھے اُدہر سب بے غمی تھی ۔۔۔ جہاں جا بجا یک خرمی تھی
ہوے چھٹی[3] کے اور چہلے[4] کے رسماں ۔۔۔ بصد حشمت بصد شوکت بصد شان
فقیراں اور امیراں پئے[5] نواباں ۔۔۔ غریباں بیکساں بیدست و پایاں
دو شالے سیم و زر پا پا کے انعام ۔۔۔ لگے پہرنے دعا کرتے سحر شام
منجم اہلِ دعوت اور رمّال ۔۔۔ مشایخ ذی کمال اور صاحبِ فال
بہم ہو جمع باصد عیش و عشرت ۔۔۔ دن اچھا دیکھ کر اور نیک ساعت
محمد غوث خاں نواب رکھہ نام ۔۔۔ لگے پاتے کتیں لاکھوں سے انعام
دوگانہ شکریہ کا کر ادا ماں ۔۔۔ لگی کہنے کتیں ای میرے سبحان

---

[1] نواب اعظم جاہ نے ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء میں ناگور، ترچناپلی اور ارکاٹ وغیرہ کی مختلف درگاہوں کی زیارت کی تھی۔ نادر نے اس سفرنامہ کو مثنوی کی صورت میں نظم کیا تھا۔ اس کا ایک مخطوطہ ادارہ ادبیات اردو میں محفوظ ہے۔ [2] نواب محمد غوث خاں ۲۹ ذی حجہ ۱۲۳۹ھ م ۲۸ جولائی ۱۸۲۴ء بروز چہارشنبہ دس بجے دن پیدا ہوئے۔ [3] چھٹی، چھٹی تاریخ۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد چھٹے روز کی تقریب۔ [4] چالیسواں دن۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد چالیسویں دن کی تقریب۔ [5] لیے

ترے سے جو رکھے امید اے رب | وہ ہو مایوس تیرے سے پہر کب
مرے ہر مو کو گر لاکھوں زباں ہو | ادا یہ شکر میرے سے کہاں ہو
یہہ کہہ کر شادماں ہوپے نہایت | پسر پر وا کئی چشم حفاظت
ہمیشہ روز و شب شام و سحر وہ | لگی رکھنے کو بیٹے پر نظر وہ
سوا سال اس پہ جب گذرا قضارا | تب اعظم جاہ باپ اس کا سدہارا[1]
لگے رونے کو یہہ کچھہ دل کے عالم | بہا آنکھوں سے دریا اُن کے اُس دم
لکھوں اس غم کا گر احوال سارا | تو ہوگا طول یہہ قصہ سراپا
چچا[2] تہا نائب مختارِ دولت | تہا اُس کے ہات کاروبارِ دولت
چچا اور ماں کے سائے میں پلا وہ | تہا رہتا رات دن چنگا بہلا وہ
اتالیق اور اُستاداں بہی تہے بیش | لگے رہتے تہے اس کے گرد اور پیش
ہزاروں خادماں نت[3] پے کم وکاست | لگے رہتے پس و پیش و چپ و راست

مجھے بہتر ہے ساقی مے پلانا | ہے دل میں تخت پر شہ کو بٹھانا
رسائی تا مرے دل کی رسا ہو | نیا مضمون مرے سے ادا ہو

---

[1] نواب اعظم جاہ کا ۱۳ نومبر ۱۸۲۵ء کو انتقال ہوا۔ "داغ بیدل" مادۂ رحلت ہے۔
۱۲۴۱ھ
[2] نواب عظیم جاہ [3] ہمیشہ

اٹھارہ سال کا وہ مہ ہوا جب　　بٹھائے تخت شاہی پر اُسے تب
بٹھا کر تخت پر شہ کو بیکدم　　تہا الفنسٹن[1] گورنر شاد و خرم
نوایط کایت اور ہندو برہمن　　صفاں باندہے تہے بیٹھے جملہ بن ٹھن
یہاں کے جمع ہو انگریز باہم　　خوشی اور خرمی کرتے تہے ہر دم
ہزار و دوصد اٹہاون ای یار ۱۲۵۸　　سن ہجری تہا عالم میں نمودار
سترویں ماہ رجب کی تہی اُس دم　　کہ جس دم تخت پر بیٹھا وہ اعظم
وہ زیبا تخت پر شہ کی تجلی　　کہ چمکے جس طرح بدلی میں بجلی
جب اس جا تخت پہ وہ شاہ بیٹھا　　مہ و خورشید حسرت میں تہے اُس جا
تہے پہرتے خادماں آراستہ یوں　　پہرے طاؤس سیر باغ میں جیوں
لباس ارغوانی زعفرانی　　تہا نافرمانی بہی اور خسروانی
لباس سبز کوئی اور صندلی کوئی　　کوئی گیندی تہا پہنا بادلی کوئی
وہ انگریزوں کی با صد شان و شوکت　　لگے کرنے کتیں مل کر ضیافت
ہوئے جب دن کے دس گہنٹے نمایاں　　چنے لا میز کا جو تہا سو ساماں
دہرے لا نعمت اقسام اقسام　　نہ دیکہے ہو کوئی از روم تا شام

---

[1] لارڈ الفنسٹن گورنر مدراس　　LORD ELPHISTONE G.C.H

دو طرفہ جا بجا میوے رچے تھے　　فقط پختے نہ کنولے اور کچے تھے
کہیں سیب و بہی پختے سراسر　　گلابی جام تھے خوش باس میں بھر
دھرے تھے کاسہ ہای نادر چین　　سراسر خوش نما تھے اور خوش آئین
بھی رنگارنگ کے شیشے دھرے تھے　　انہوں میں شربتیں یکسر بھرے تھے
مٹھائی فیرنی فالودہ تر　　بتاشے اور اندرسے تھے یکسر
کہیں شاہی کباب و مرغ بریاں　　کہیں تھے کوفتے اور تھے کہیں نان
کسی جا جمع مرد آدمی تھے　　عقیقہ ہو بدام خرمی تھے
انہوں کے روبرو بھی نعمتیں لا　　چنے اقسام کے خدام ہر جا
بیاں کرتے ہوئے لذت کا ہر دم　　لگے یہہ نعمتیں چکھنے کو باہم
وہ پاکر کھانے کھانے سے فراغت　　صفاں باندھے ہوئے بیٹھے بشوکت
صراحی میں لے پانی چند مہ رو　　پلاتے تھے ادھر اودھر ہر سو
دو طرفہ پان دان چنگیر دان لے　　خوشی سے چل دئے تقسیم کرتے
کئے تقسیم جس دم پھول اور پان　　لگے تب بانٹنے خوشبو کے چیزاں
گلاب و عطر و مشک تاب و عنبر　　لگے تقسیم کرنے ادھر اودھر
ضیافت میں گئی جس وقت وہ روز　　تب آئی شب نہایت خاطر افروز

کہے روشن چراغاں سے محل یوں — ستاروں سے ہے روشن فلک جیوں

کئے روشن کہیں بلّور کے جھاڑ — نہ دیکھے ہو کوئی اس طور کے جھاڑ

کہیں گیندی کہیں سرخ دھرے تھے — سراسر روشنی سے سب بھرے تھے

کہوں کیا واں عجب یک روشنی تھی — زمیں سیماب کی یکسر بنی تھی

لگے آنا سجے کیتی طوایف — بہم کہتے ہوئے مل کر لطایف

لباسیں تن میں تھے اقسام اقسام — دلاں پر پھینکتی تھیں عشق کا دام

کسو کے تن میں یکسر سرخ پیشواز — کوئی پہنی تھی عباسی بصد ناز

تھیں اس پہ اوڑھنی خوشرنگ اوڑھے — سراسر انچل اس کو زرکار جوڑے

لگا انگئے کو زر کے ڈوریاں سب — تھیں پہنی خرّمی سے گوریاں سب

سراسر ارغوانی آستین تھی — ٹکی تھی سنہری ہر کہیں تھی

لگا تھا گھونگرو بھی ایدھر اودھر — چمک بجلی کی اس میں تھی سراسر

کٹوری پر چمکتے چمکیاں یوں — چمکتے دم بدم ہوں بجلیاں جیوں

کوئی گاتی تھی طلانہ برادا — کوئی ٹپہ کوئی جنگلہ سہیلا

ڈہلک کر چل دی پائل بجا کوئی — تھرک کر ناچتی تھی جھمجھما کوئی

وہ جھک جھک کر سران کیتیں ہلاتے — وے ٹھوکر مار گھونگرو کو بجاتے

کبہو ماتھے پر اُنگلی گاہ لب پر — کبہو انچل کو لے مُنہہ پر سراسر
عجب آئین سے وہ ناچتے تھے — کھڑے سازندے سازاں باجتے تھے
وہ بھرنا کٹکری کا اور آلاپ — وہ چلنا ڈھولکی کا تھاپ پر تھاپ
گیا سب اہلِ محفل کا پگھل دل — تڑپنے کو لگے مانندِ بسمل
کوئی تھی تالیاں ہر دم بجاتی — کسو کی تان پر کوئی سر ہلاتی
کسو تے ہانپ کر بس ناچتی تھی — کسو نے تال پیچھے باجتی تھی
کبہو ہٹ ہٹ کبہو بڑ بڑ کے آگے — بہم مل ناچتے تھیں گیت گاکے
خوشی سے چٹکیاں چل چل کے ہر آن — کوئی محبوب گاتی تھی بصد شان
بصد ناز و ادا موتی کے مالے — گلے میں گل رخاں تھیں اپنے ڈالے
وہ بالا کان کا تھا دام عالم — تھے ہلتے جھوک کھا جھمکے بھر دم
تماشائی جدہر دیکھے اُدہر کو — وے رقاصوں پہ کھولے تھے نظر کو
وہاں کے اہتمامی لوک مل کر — تھے پھرتے جا بجا ادر ایدہر اودہر
سلام آپس میں کرتے ایک سے ایک — تھے پھرتے کام میں ہو سرخرو نیک
بہم عورات انگریزوں کے ہاں کر — ملا ہاتھوں میں ہاتھاں ہو کے خوشتر
اُچھل کر ناچتی تھیں ہو کے خرم — نتہا گانا انھوں کا دام سے کم

نہ تھا

ہوے تھے جمع اُس جا اجنبی لوگ   دِکھاتے اپنے پوشاکون کا کل جھوک

شہنشہ گاؤ تکیہ یک لگا کر   تھا بیٹھا اپنے مسند پر بصد فر

وہ بیٹھا تھا نہایت ہو کے شاداں   دہرا ایک روبرو حقہ بصد شان

سنہری پیکداں بھی یک دہری تھی   سراسر سرخی پان سے بھری تھی

کھڑے تھے دست بستہ چوبداران   تفاوت با ادب کھتے تھے ہر آن

وہ محفل میں نظر آتا تھا یوں شاہ   ستاروں میں رہے جس طرح سے ماہ

لکھوں کیوں کر میں مجلس کا تماشا   نہ جس کو ابتدا تھا انتہا تھا

سراسر خرمی میں جب کٹی شب   سپیدی صبح کی ہوگئی عیاں تب

قدیمی جو کہ ہی قانون اُن کا   اُسی قانون سے کرشنہ کو مجرا

لگے جانے کو سارے دعوتی مل   مزا اس جشن کا لے ہو کے خوش دل

لگا رہنے خوشی سے شاہ جاوید   اُسے شب تھی برات اور روز تھا عید

نتھا دل پر تو کچھ رنج و غم و بار   خوشی سے تھا تھا ہر دم سروکار

شتابی دے مجھے ساقی شراب آب   کہ شادی کا ہی ہوتا فتح باب اب

بہارِ تازہ ہی ہر جا نمودار   پھر ایسا ہو کہاں وقتِ طرب بار

بہو[1] بیگم جو تہی اس شہ کی مادر   جوانی دیکھ بیٹے کی ہو خوشتر
خیال اُس شاہ کے شادی کا لائی   بھتیجی کے تئیں اپنے بلائی
روانہ کر خطوط اُس نے ہو دلشاد   بُلا بھیجی شتاب از حیدرآباد
بھتیجی اس کی جب آئی بصد شان   تُرپ اور یار کے ہمرہ جوانان
بہو بیگم بصد شان و بصد فر   لے آئی اس کو استقبال جا کر
ہزار و دو [۱۲۶۴] صد اور چوسٹھ میں آغاز   کئی نواب کی شادی بصد ناز
تہی ساعت نیک اور تہا ماہ رجب   بہم رسمان لگے کرنے کو مل تب
دو وقتہ لوک[2] آتے تہے دو طرفہ   بہم مل کہانے کہاتے تہے دو طرفہ
دو جانب نعمتیں بس پک رہے تہے   بہم مل دعوتیں سب چک رہے تہے
بہر لحظہ ادہر سے اور اُدہر سے   تہے بجتے شادیانے کرّ و فر سے
ٹکوریوں کا وہ شہنائی کا بجنا   وہ نقارے کا ہر لحظہ گرجنا
وہ بجنا جہانج اور وہ شور قرنا   ہوا تہا بند گوش پیر و برنا
وہ نوشہ آ کے مسند پر بصد شان   تہا بیٹہا اور کہاتا دم بدم پان

---

[1] والدہ نواب محمد غوث خان بہادر   [2] لوگ

فرشتے میں کب آوے خوبی اس کی ‏ ‏ ‏ کہاں ہو حور میں محبوبی اس کی
عجب اس کے ادائیں خوبیاں تھیں ‏ ‏ ‏ اسی پر ختم سب محبوبیاں تھیں
وہ بادامی دو انکھیں دام گویا ‏ ‏ ‏ سراسر تھے شرابی جام گویا
نبات[1] اس کی ہتی بات اور شکریں[2] لب ‏ ‏ ‏ تبسم اس کا غنچے میں بھی ہے کب
اسی کے رخ کا بلبل دل میں لا شوق ‏ ‏ ‏ سدا دوڑے ہی رنگ گل پہ کر ذوق
بنا قد سے اسی کے سرو گلشن ‏ ‏ ‏ لیا نور اس سے یہہ خورشید روشن
بدن گورا بٹے سارے خم و چم ‏ ‏ ‏ وہ جامہ شبنمی جیوں گل[3] پہ شبنم
وہ گل رخسار تھا اور مہ جبیں تھا ‏ ‏ ‏ یہہ خورشید اس کے رخ سے نور چیں تھا
ہلال ابرو گہر دنداں صدف گوش ‏ ‏ ‏ چمک ہنسنے میں برق خرمن ہوش
قد و قامت تھی اس کی یک قیامت ‏ ‏ ‏ لے آتی تھی دلاں[4] پر ایک آفت
صراحی سی وہ گردن خوش نما یوں ‏ ‏ ‏ صراحی میں بلوریں سرخ مے جیوں
ذقن کا سیب آسیب دل و جاں ‏ ‏ ‏ کنواں پانی کا تھا چاہ زنخداں
لٹکتے تھے دلاں اس چاہ میں یوں ‏ ‏ ‏ کہ لٹکے چاہ میں ہاروت تھے جیوں

---

١ مصری ٢ قند ٣ گل
٤ ان کے اضافے سے دل کی جمع بنائی گئی ہے۔

مصفا سینہ اُس کا تہا جہاں تاب — کہ جس کو دیکھہ آئینہ ہوا آب
شکم تہا نرم مخمل سے دو چنداں — حریری کی تہا نرمی پہ وہ خنداں
وہ ناف اُس کی نہ تہی گرداب سے کم — ہزاروں غرق تہے دل اُس میں باہم
کروں کیا گفتگو وصف کمر میں — نہ آتی تہی تصوّر کے نظر میں
دو ران اُس کے دو صندل کے ستون تہے — کہ آگے جس کے پریاں سرنگوں تہے
مصفا ساق تہے بلّور کے کہام — لیا زانو سے آئینہ صفا دام
مصفا تہا کفِ پا اور خوشتر — کب اُس کے آئینہ ہووے برابر
قد و قامت تہی اس کی یک قیامت — تہی نمک کی کتنی تسیر[1] ملاحت
فلک اُن ناخنوں کے شوق میں آ — مہِ نو سے ہی یک نقشہ تراشا
ہو پیدا خلق میں ایسا جواں کب — کہ حوریں دیکھہ بہولیں حوریں سب
طوائف روبرو تہیں اس کے آتے — تہرک کر ناچتی تہیں چہچہاتے
عجب سالو کے بنگڑیاں تہے نمودار — سنہری تہیں لپیٹے جسکتیں تار
عجب یک وقت تہا وہ خاطر افروز — نمایاں تہی نشاطِ جشنِ نوروز

---

[1] اس پر نمکین پن، سانولا رنگ، خوب صورتی

تہی پیلی دھوپ کچھ یک وہاں نمایاں
لیا تہا روپ یک تازہ گلستاں

غزل جوہر کی لے کوی ایک دلبر
دہرا اُس کو سوز پیہ بی کا سراسر

عجب یک سوز سے گانے لگی وہ
بلا عالم پہ یک لانے لگی وہ

غزل

قیامت ہی ترا محفل میں آنا
دھڑی مسی کی تسپر پان کھانا

مبدل شام سے ہی صبح میری
غضب ہی جان ترا سرمہ لگانا

سکھا کس سے جما مسی لبوں پر
ہمیشہ لعل سے نیلم اُگانا

جو دیکھا خال اُس رخ پر وہ بولا[1]
ہوا کیوں چین میں زنگی کا آنا

مرے تسخیر کو بس دورِ دامن
تکلف یک ہی چپ زلفیں دکھانا

دلالت سبز بختاں کے ہی خون کی
ترا ہاتوں پہ یہہ مہندی لگانا[2]

---

[1] "جو دیکھا ..." کی جگہ " وہ رخ پر خال جو دیکھا سو بولا " لکھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے ،

[2] "ترا ہاتوں پہ ..." کی جگہ " ترا یہ لحظہ لحظہ پان کھانا " لکھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے .

کسو نے خوب انگئے کو کسی تھی — کہ اس کے پوست میں ڈوری دھسی تھی
دھڑی یا مسی کی کوئی لب پر جمائی — اور اس پر شان سے تھی پان کھائی
ملائے ایک سے یک ہاتھ میں ہاتھ — جوانان بھی پھرتے جھوک کے ساتھ
پری رویوں کا ہنسنا مسکرانا — جوانان کا وہ تل تل اُن پر آنا
کوئی بازار کے رستے پر آکر — کھڑی دل کو تماشے پر لگا کر
تھے دروازوں پہ سارے چق کے پردے — تھیں بیٹھی عورتیں وہاں جمع ہو کے
بنا پہنچا بنی کے گھر کو جب آ — خوشی کی یک اُٹھی آواز ہر جا
وہاں جو جو کہ تھے رسماں ادا کر — گئے لے جلوہ گہ میں ہو کے خوشتر
ادا کر وہ جلوے کے بھی رسماں[۶۶] — گیا لے کر بنی کو ہو کے شاداں
سن پینسٹھ[۶۵] ہوا جس دم نمودار — ہوئی[له] بیگم سدہاری ہو کے بیمار

---

[۶۶] "ادا کر وہ جلوے کے بھی رسماں" اس شعر کے بعد دو اشعار قلم زد کر دیے گئے۔ جو حسب ذیل ہیں۔
لگے رہتے بہم خرمی سے — سدا چھنگے بہلے اور بے غمی سے
تھی دل کو شادمانی تن کو آرام — انہوں کو عیش و عشرت سے تھا نت کام

[له] والدہ نواب محمد غوث خاں بہادر جن کا ۱۲۶۵ھ م ۱۸۴۸ء میں انتقال ہوا۔

غمِ مادر سے وہ ماہ شب افروز | تھا رہتا نت بلب آہ و بدل سوز

پلا ساقی مجھے اب بادۂ ناب | کہ اب کھلتے ہیں درد و غم کے ابواب
سنا نواب کے مرنے کا احوال | جہاں پر بھیکتا ہوں غم کا یک جال
نہیں اس باغ میں کوئی بے خزاں گل | نہیں ہی بے خمار اس بزم کی مُل
اجل ہی ہستئ عالم پہ ہستی | سدا اُس کی ہی اس بستی میں بستی
اجل خانہ خرابِ انس و جان ہی | اجل یک دشمنِ جانِ جہاں ہی
بلا شک بیدوا[1] ہی موت کا درد | مزا اس درد کا چاکھے ہی ہر فرد
سناتا ہوں بیانِ مرگِ نواب | کُھلے تا درد و غم کا خلق پہ باب
ہنر اور علم میں وہ طاق تھا خوب | عجب حسن و جمال اُس کا تھا مرغوب
یہہ کچھہ تھے بھاک پھاک اسکتیں یاد | تھے حیران جو کہ تھے اس فن کے اُستاد
چڑادے آستیں گر ہو غضبناک | فلک سے گر پڑے مریخ بر خاک
وہ چہرہ تھا نمودارِ شجاعت | لے حاتم سے خراج اس کی سخاوت

---

[1] بے دوا

پھر ایسا ہو کہاں پیدا سخی مرد — نہیں ثانی جہاں میں اُس کا کوئی فرد
دشالے شال اس کے فیض سے پا — تھے پھرتے اوڑھ کر ادنیٰ و اعلیٰ
تھے پھرتے ناز سے کنچن ہو خرم — لے گھنگٹ شال و دوشالے کے ہردم
ہمیشہ مار دوشالے کا تھا پر — بہم پھرتے تھے قوالاں[۱] ہو خوشتر
لیئے لاکھوں جو تھے کوڑی کو محتاج — خوشی کے ملک کا کرنے لگے راج
فقیراں[۲] سب اسی سے لکھ پتی بن — لگے اینٹھے ہوئے پھرتے کو تن تن
جہاں کے جنگم و جوسی یہاں آ — اُسی سے مدعا پاتے تھے دل کا
سدا ہر شہر سے آتے تھے یہاں خلق — امیراں[۳] مفلساں[۴] اور صاحب دلق
جو عاجز تھے غروری سے وہ تن گئے — غنی جیوں[۵] ساہوآں[۶] اور سیٹھ بن گئے
تھی اس کی ذات بوٹی کیمیا[۷] کی — جو تانبا تھا سو اس کو زر بنادی
پھر ایسا ہو کہاں دنیا میں نواب — تھا ہر یک شخص اُس سے مدعایاب
جب اُس کے چار دن مرنے کے آگے — پڑی بجلی بڑی مسجد[۸] پر آ کے
خبر بجلی کے پڑنے کی سنا شاہ — ہزاروں ہائے وہو کرنے لگا شاہ

---

۱ قوال کی جمع ۲ فقیر کی جمع ۳ امیر کی جمع ۴ مفلس کی جمع
۵ جیسے ۔ ۶ ساہوکار، سیٹھ ۷ کیمیا ۔ ۸ مسجد والا جاہی

لگا کہنے کو ہو کر نیم بسمل ۔ لگی ہی آتش غم مجھکو در دل

نہیں تجلی پیام موت ہی یہہ ۔ مرے حق میں سلام موت ہی یہہ

قریب آئی ہی میری موت ہی ہای ۔ نہیں کچھہ دیر میری موت میں ہای

اجل آکر کہڑی ہی سر پہ اب خیر ۔ عدم کے باغ کا درپیش ہی سیر

یہہ کہہ کر آثار پر جا فاتحہ دے ۔ لگا کہنے کو پہر مایوس ہوکے

نہیں پہر فاتحہ کو آوینگے ہم ۔ یہہ دولت پہر نہیں اب پاوینگے ہم

ہماری ہو گئی ہی عمر آخر ۔ یہاں ہیں آج فردا ہیں مسافر

یہہ مایوسی کے باتیں سن کے یاراں[1] ۔ لگے کہنے کتنیں ہو اشک باراں

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

رہو تم پاس میرے آج کی رات ۔ بہت ہی بیقراری مجھکو ہیہات

یہہ سن کر ل بہم اس شب کو رہ گئے ۔ سراسر درد کی دریا میں بہہ گئے

قیامت سے نہتی[2] وہ رات کچھہ کم ۔ کٹی وہ شب پہ با صد محنت وغم

---

[1] یار کی جمع ۔ [2] نہ تھی

دم صبحی مسیح الدولہ[1] خاں کو | بلا لاؤ کہا وہ شاہ خوش خو
سوار اس پاس دوڑا غم سے روتا | سراسر اشک سے رخسار دہوتا
وہ شہ کی کیفیت رو رو سنایا | بصد عجز و نیاز اس کو بلایا
یہ سن احوال شہ کا خود نہیں آ | دوا دے ہاتہہ میں بیٹے کو بہیجا
پسر سے اس کے شہ کو ناخوشی تہی | سراسر بر خلافی سرکشی تہی
نہ راضی ہو دوا سے اس کے وہ شاہ | سوار اس پاس پہر بہیجا بصد آہ
طبیب اس پاس آیا الغرض جب | تو دیکہا بے قراری میں ہی شہ تب
کہ ہی وہ مستعد بر فصد[2] بیٹہا | تہا اپنے ہاتہہ کو پٹی لپیٹا
کہا خفقان کا شکوہ عیاں ہی | نہ بیماری کا کچہہ نام و نشاں ہی
توقف کیجئے پہر تین دن تم | نہ لیجے فصد میری رائے بن تم
یہہ سن کر اس معالج سے ہو غمناک | لگا کرنے کو صد افسوس دل چاک
غضب سے ہاتہہ کی پٹی کو کہولا | مکرر یوں زباں سے اپنے بولا
نہ صحت عافیت پاؤں گا آخر | اسی عالم میں مرجاؤں گا آخر

---

[1] حکیم مہدی المخاطب بہ مسیح الزماں خاں کی خدمت میں کسی نے یہ شعر کہا تہا سہ
مردے جلانے والے تو آگے ہی چل بسے
زندوں کو مارنے کو مسیح الزماں ہوئے

[2] رگ سے خون نکالنا

کیا دیوان کو تب یہہ وصیت — کہ پیسا قرضداران کا رکھو مت
ادا کیجے جو کچھہ ہی دین میرا — نہو محشر میں تا دعوی کسی کا
مرے سب نوکراں اور آپ کیتیں — ضمانت میں خدا کے اب دیا میں
یہ کہہ کر شاہ نے قرآن منگایا — دے بوسے اپنے سینے کو لگایا
دیا بوسے مکرر اور سہ کرر — دہر اُس کو آنکھہ پر گہ گاہ سر پر
پڑہا یاسین کا سورہ بیکدم — وہ اپنے پر سراسر کر لیا دم
رکہا یک روبرو تختی منگا کر — کہا کلمہ شہادت کا تہا اُسپر
وہ کلمے پر مقید تہی نظر یوں — رہے ہو قید آنکھوں میں نظر جیوں
وہ مہرِ روشنِ چرخِ سعادت — تہا پڑہتا دم بہ دم کلمہ شہادت
عجب یک ڈہب سے وے آنکھیں چڑہی تہیں — گویا نرگس کے آنکھیں جہڑ پڑی تہیں
تہے اس کے دست و پا جیوں شاخِ صندل — ہوئے رنگِ کبودی سے مبدّل
قد و قامت جو تہی رشکِ صنوبر — ہوی یکسر خمیدہ اور لاغر
وہ رخسار جو تہا رشکِ گلِ وَرد — گلِ سوری سا یکسر ہو گیا زرد

۱؎ نواب مدار الامراء مولوی عبدالوہاب

وہ ناک اُس کی جو چنپے کی کلی تھی ۔۔۔ کبودی رنگ سے یکسر ملی تھی
وہ چہرہ اُس کا باغِ بے خزاں تھا ۔۔۔ ہوا فصلِ خزاں کی صبح گویا
جو دیکھا حال شہ کا تھا ترستا ۔۔۔ تھا آنسو اُس کے آنکھوں سے برستا
کہا اس طرح نوابِ فلک جاہ ۔۔۔ کرو اس حال سے بیگم کو آگاہ
بلا لاؤ محلِ خاص کو جا ۔۔۔ مسافر ہوں میں اب راہِ عدم کا
چچا دادی کو میرے جا بلا لاؤ ۔۔۔ انہوں کا میرے تیں[1] دیدار دکھلاؤ
سوار اس شہ کی بی بی کو بیکدم ۔۔۔ کہا جاکر یہہ ساری حالتِ غم
چچا دادی کو یہہ حالت سنایا ۔۔۔ پلٹ کر ہو ہوا شہ پاس آیا
یہہ سن اس شہ کی بی بی گھابری[2] ہو ۔۔۔ سراسر کانوری اور بانوری ہو
وہ چڑھ گاڑی میں شہ کے پاس آئی ۔۔۔ نہ بات اُس شاہ سے کچھ کرنے پائی
سو ایسے میں موا[3] وہ نوجوان ہائے ۔۔۔ عدم میں جا کیا اپنا مکان ہائے
تھا اُس کی عمر کا بتیسواں سال ۔۔۔ زمانے کا تھا حاتم وہ ہما فال
گیا پھوٹ اُس کا جامِ کامرانی ۔۔۔ نہ دیکھا عیش ہائے زندگانی
عجب تھی نوجوانی اس کی ہیہات ۔۔۔ یہہ قسمت ہی کسی پر کچھ نہیں بات
ہوا بی بی کو اس کے غم سراپا ۔۔۔ قیامت کا کئی یک شور برپا

۱ لئے، واسطے ۲ پریشان ۳ بے جان، نامراد، بدنصیب

مثالِ گل گریباں کو کئی چاک ۔۔۔ اُڑائی سر پہ اپنے دھول اور خاک
تھی روتی پیٹ کر سینے کو ای وائے ۔۔۔ پھر کہتی تھی تجھے دیکھوں گی کب ہائے
ذرا نواب کی صورت دکھاؤ ۔۔۔ مرے دل کی ذرا آتش بجھاؤ
پکاروں ہائے پھر کس کو میں نواب ۔۔۔ کھلے ہیں درد و غم کے مجھ پہ ابواب
مرے قسمت کی کیوں کر آنکھ سوئی ۔۔۔ مزا دیدار کا یک تھا سو کھوئی
کدھر جاتا ہے تو کر مجھ کو تنہا ۔۔۔ ترے بن دل ہی میرا ناشکیبا
چلے آئے تمامی بیگماں وہاں ۔۔۔ سواری میں سوار اس غم سے گریاں
ہوا دل پر انہوں کے داغ پر داغ ۔۔۔ خزاں دیدہ زمانے کا ہوا باغ
کہوں اعظم النساء بیگم کا کیا حال ۔۔۔ بیاں میں اس کے غم کے ہے زباں لال
نہ غم شوہر کا دل میں سہہ سکی وہ ۔۔۔ سوا غم کے نہ چپ ہو رہ سکی وہ

شعر "مثالِ گل... سے پہلے" گھڑی کے بعد کچھ یک ہوش میں آ ؛ قیامت کا کئی یک شور برپا
شعر "مثالِ گل... کے بعد" اُسے بس بیخودی یک ہو گئی تھی ؛ سراسر ہوش اپنی کھو گئی تھی
شعر "ہوا دل پر... سے پہلے" وہ شہ کی موت اور بیگم کا رونا ؛ وہ ہر دم بیخود و بے ہوش ہونا
یہ تین شعر قلم زد کر دیے گئے ہیں۔

ے نواب محمد غوث خاں اعظم کی محل ثانی

هزاروں هائے دهو سرپا کئی تهی — سراسر سیلِ غم میں بهه گئی تهی

دے رو رو بی بیاں دامن کو کرتم — تسلّی اس کینتیں دیتے تهے هردم

نه سنتی تهی کسی کی بات اور چیت — فقط شوهر کی اُس کے دل میں تهی پیت

تکیه هے نه نهالی[۱] هے نه سونا — هے اُنهیں کو کام دن اور رات رونا

اُسے یهه کچهه هے یا اپنے مرد کا غم — که کرتی آج تک هے شورِ ماتم

جهاں خالی هے خلوت وه وهاں جا — بهاتی غم سے هے آنسو کا دریا

رنڈاپے کا لباس افسوس افسوس — هے پهنی دستِ خوبی کی .....

یهه سن دادی نے آئی هو کے غمناک — بلب نالهٔ بدل غم دیده نم ناک

یهه کهتی تهی وه کر کر شور برپا — بڑے میاں گیا هے آج میرا

یهه کمبختاں هیں کیسے نائے ای وائے — نه دکهلاتے هیں منهه اُس کا مجهے هائے

مجهے تهی آرزو بچے کی اس کے — نه دیکهی هائے رے اپنی نظر سے

چچا[۲] کا حال مجهه سے پوچهه مت یار — که غم سے اُس کو جینا هو گیا بار

بهتیجے پاس آیا غم سے جب او — نه کچهه باقی رهی طاقت سرِ مو

۲؎ نواب عظیم جاه ۱؎ توشک

نفر کے دوش پر ہاتھوں کو دہر کر ۔۔۔ لگا چلنے کو آہستہ قدم دہر
ندیم الدولہ[1] غم سے رو رہا تہا ۔۔۔ اور آب اشک سے منہہ دہو رہا تہا
یہہ کچھہ دیوان صاحب[2] کو ہوا غم ۔۔۔ لگا آہستہ کرنے آہ ہر دم
ہی ابتک درد وغم سے سینہ صد چاک ۔۔۔ بلب صد آہ و نالہ دیدہ نمناک
تہا دل میں اس کے غم اور غم میں تہا دل ۔۔۔ یہہ کہتا تہا وہ ہو کر نیم بسمل
سہوں کس طرح یہ رنج و الم میں ۔۔۔ کہوں اب کس سے جا یہ درد وغم میں
نہ جان تن میں نہ دل سینے کے مابین ۔۔۔ سراسر ہو گیا تہا غم سے بے چین
وہ مختار النسا[3] بیگم کو ای یار ۔۔۔ ہوا یہہ غم کہ ہی اب تک وہ بیمار
کہ اس کے دختراں ہی شور برپا ۔۔۔ بہائے آنکھہ سے آنسو کا دریا
محل میں تہا ادہر یک غم کا چرچا ۔۔۔ ادہر مردان میں تہا یک شور و غوغا
تہے باہم جمع چورستے پہ عالم ۔۔۔ مچائے تہے عجب یک شور ماتم

---

۱ نواب محمد غوث خان اعظم کے دودھ شریک بھائی تھے
۲ نواب مدار الامرا مولوی عبدالوہاب دیوان ریاست کرناٹک
۳ مختار النساء بیگم کا ذکر "مثنوی نادر" میں ہے کہ یہ نواب اعظم جاہ کی محل ثانی تھیں۔
اس طرح یہ نواب محمد غوث خان اعظم کی سوتیلی والدہ تھیں۔ انھیں تین لڑکیاں بھی تھیں۔

شعر "کہ اس کے دختراں..." کے بعد یہ دو شعر قلم زد کر دیے گئے ہیں
وہ بیگم جی کو یہہ کچھہ ہو گیا غم ÷ کہ کرتی آج تک ہی شور ماتم
نہ کیہہ ہی اسے نہانی ہی نہ سونا ÷ ہی اسکو کام دن اور رات رونا

کوي کہتا تہا کہ آنکھوں کتیں تر | کوي جادو کا مُٹ پہیکا ہی شہ پر
کوي کہتا نہ ٹونا ہی نہ جادو | فقط کوی زہر دے مارا ہی اس کو
خلایق سب لگے کرنے کو ہیہات | بہم کئی طرح کي کرتے تھے بل بات
گیا دن جب گذر کہ آگئی رات | دو چنداں ہو گئے عالم پر آفات
نسیم آہ سے غم کا کہلا گل | مچائے خلق مثل بلبلاں غل
کوئی پہرتا کوئی بیٹھا تہا غم سے | کوئی ٹلتا کوئی لیٹا تہا غم سے
کوئی چپ تہا کھڑا حیرت میں آکر | پڑا تہا کوئی غم سے ہو کے مضطر
لگا ابر کرم آنسو برسنے | الم اور غم سے ہر لحظہ ترسنے
اسي درد و الم سے دل پہ کہا چوٹ | لگی چلاّ کے رونے لوٹ کر لوٹ
لب دریا پہ جوش غم سے کف تہا | گہر یک اشک در چشم صدف تہا
بیان اس درد و غم کا پوچھ مت یار | لیا تہا حال غم کا سارا گلزار
تہا ہائے و ہو وہ گلشن میں نمایاں | کہ جس گلشن میں تہا وہ نو بہاراں
الم سے قمریاں کرتے تھے کُو کُو | تہي پہرتي کوکتي کویل ہر سو
غم فرقت میں اُس گلرو کے بلبل | تہی گلشن میں مچائی شور اور غل
سراپا رنگ لالہ ہو گیا زرد | لیا داغ اپنے سینے میں بصد درد

ہوا ہر گل کو یہہ کچھہ درد اور غم بہانے کو لگا آنسو ز شبنم
درختاں ہل رہے تھے برگ سے کف پرندے رو رہے تھے باندھ کر صف
جہاں تنگ باغ میں چھوٹی جڑی تھی سموم غم سے مرجھا کر پڑی تھی
نہ آگے کا رہا کچھہ رونقِ باغ گل و غنچہ بھی غم سے کھا گئے داغ

رسائی کی پلا ساقی مجھے مَی کہ مجھہ کو غسلِ میّت روبرو ہی
نہ کر ساغر کے دینے میں تامل نہا دہو دفن کو جاتا ہی وہ گل
گھڑی دو چار باقی رات تھی جب تہیہ غسلِ میّت کا کئے تب
لگے ہل غسل دینے اس کو جس دم لگا ہونے کو پھر یک تازہ ماتم
پڑا ہا اُس نیلوفر پر جس گھڑی آب عجب یک حُسن کا اس پر کھُلا باب
کھُلی پانی سے اس کی یوں تجلّی کہ جیوں برسات میں چمکے ہی بجلی
عجب یک غسل دینے سے کھُلا بھاگ ہوی پانی سے روشن خوب یہہ آگ
کفن اس کے تنِ نازک پہ تھا یوں مڑے گل پہ ورق یک نقرئی جیوں
وہ چادر گل کی جیوں شبنم ہو بر گل تھا مثلِ موگرا خوش بو کفن تک
سحر جس دم گریباں کو کئے چاک ہوئے پھر جمع عالم ہو کے غمناک

بھی آ اطراف کے کھیڑوں سے عالم | تھے باہم ہوکے کرکے شور و ماتم
نظر دیکھے اٹھا جس جا ادہر کو | نظر یک اژدہام آتا تھا ہر سو
سبہی کچھہ تھے لوک[1] سارے جمع ہوکے | لگے کہانے کو خاص و عام دہکے
تھے ہوکر جمع کئے اقسام کے لوگ | بروگن جو سیان ماتم کالے سوگ
جہاں کے سب امیراں اور فقیراں | برہمن کایت اور ہندو مسلمان
جنازہ لے کے نکلے باغ سے جب | زمانے میں پڑا یک شور و غل تب
بصد غم توپ قلعے[4] میں ہوے سر | عدد میں عمر شہ کے تہے برابر
گہراں[2] میں عورتاں[3] باہر سے مرداں | تہے روتے پیٹ کر سینے کو ہر آن
چلے آہستہ آہستہ قدم دہر | لے کاندہے پر جنازہ چشم ہا تر
جنازے کو دے کاندہا اس کے یاراں | تہے چلتے لحظہ لحظہ اشکباراں
نتہی[5] کچھہ خرمی غیر از غم و درد | تھا اس کا گرم بازار اس کا تھا سرد
تہے چلتے دمبدم کاندہا بدلتے | تاسف سے خلایق ہاتہہ ملتے

---

۱ لوگ ۲ گھر کی جمع ۳ عورت کی جمع
۴ فورٹ سینٹ جارج ۔ مدراس ۔ ۵ نتھی

وہ حاجی[1] مرتضیٰ دیوان[2] صاحب　　بھی مفتی[3] صاحب و رحمان[4] صاحب
تھے چلتے کھو کر اپنی عقل و ہوش　　بلب آہ و بدل از درد و غم جوش (بہ لب، بہ دل)
دبیر الدولہ با صد درد ہمراہ　　چلے تھے دمبدم کرتے ہوئے آہ
گذارش[5] خاں طرازش[6] خانِ خوش خو　　جنازے کے ہی چلتے روبرو ہو
یہہ جو ہر ساتھ تھا کرتا ہوا آہ　　نتھا (نہ تھا) لیکن مسیح[7] الدولہ ہمراہ
جنازہ شاہ کا اس درد و غم سے　　جب آیا روبرو شادی محل کے
عجب شادی محل میں یک پڑا غل　　مبدل غم محل سے ہو گیا کل

---

[1] نواب سالار الملک محتشم الدولہ میر آتش خاں محتشم جنگ حاجی قادر مرتضیٰ حسین مرحوم متوفی ۱۲۸۳ھ ندیم خاص و میر بخشی ریاست کرناٹک

[2] نواب مدار الامراء مولوی عبدالوہاب صاحب متوفی ۱۲۸۵ھ دیوان ریاست کرناٹک

[3] قاضی بدر الدولہ مولوی صبغۃ اللہ قاضی و مفتی ریاست کرناٹک (متوفی ۱۲۸۰ھ)

[4] حاجی عبدالرحمن قسمت خاں بہادر ولد حاجی عبدالوہاب مدار الامراء

[5] حکیم غلام محی الدین المخاطب بہ گذارش خاں متخلص بہ شاعر. عرض بیگی ریاست کرناٹک

[6] سید محمد اسحٰق طرازش خاں احسن داماد مدار الامراء

[7] حکیم مہدی المخاطب بہ مسیح الدولہ

اُٹھا وہاں جا بجا یک شور و غوغا ۔۔۔ سُنا جس نے وہ حیرت میں پڑ ہا جا

لگے رونے یہ کچھ ہُک ہُک کے باہم ۔۔۔ نہ تھا آنسو کا نالہ بحر سے کم

تھے آگر کمپنی کے بہی سواران ۔۔۔ کھڑے مجرے کو شہ کے غم سے گریاں

دو طرفہ باندکر صف ایدہر اُودہر ۔۔۔ کھڑے تھے جمع ہو با دیدہ تر

لباس اُن کا سیہ ہاتھوں میں تلوار ۔۔۔ وہ غم کا حال مجھہ سے پوچھہ مت یار

جنازہ دیکھہ کر گھوڑے سواران ۔۔۔ کرے قانون سے مجرا ہو گریان

عجب غم کا سمایا ہو گیا تھا ۔۔۔ جدہر دیکھے اُدہر چرچا تھا غم کا

جنازے میں تھا سوتا مثلِ نوشاہ ۔۔۔ دلان کو دے رہا تھا داغ صد آہ

چمک کر دمبدم اڑتے تھے گھوڑے ۔۔۔ لے آتے تھے وے صف میں باگ موڑے

سپاہاؔن شاہ کے کھو عقل اور ہوش ۔۔۔ قدم آہستہ دہر چلتے تھے خاموش

پس و پیش اُس جنازے کے جو تھے پیلؔ ۔۔۔ گراتے بوند آنسو کے تھے پے قیلؔ

عماری پیٹ پر تھی کس کسا یوں ۔۔۔ عماری ماہِ نو کی چرخ پر جیوں

نہ آگے کی اُسے تھی زینت و شان ۔۔۔ بجز شہ کے نظر آتی تھی ویران

۱؎ سپاہی کی جمع ۲؎ ریلا ۳؎ بے بغیر گفتگو

جب آ مسجد میں پہنچا وہ جنازہ | لگا ہونے کو ماتم ایک تازہ
کسو نے دھر کے اپنے منہہ پہ رومال | یہہ کچھہ رویا کہ آنکھیں ہوگیں لال
تھے کہتے کر کے ماتم خاص اور عام | محمد غوث خاں کا گم ہوا نام
غزل یک برمحل جوہر کی لے کر | کوئی پڑتا تھا غم سے چشم ہاتر

غزل

ہم اُن آنکھوں کے دیوانے بنے ہیں | سراسر مست و مستانے بنے ہیں
یہہ کچھہ بے ہوش کی تیری جدائی | دلاں اپنے سے بیگانے بنے ہیں
ہی کن دانتوں کا اس دل میں مرے شوق | مرے سب اشک دُردانے بنے ہیں
ہوی ہی بے غمی سے غم مبدل | جگر عالم کے غم خانے بنے ہیں
تری اس تیر مژگاں کے نشانے | سیانے اور دیوانے بنے ہیں
ترے خالِ سیہ کے شوق میں یار | سیہ مستاں کے کاشانے بنے ہیں

اُسی کی آنکھہ کے حسرت میں جوہر
گلِ نرگس سے پیمانے بنے ہیں

زمین و آسمان روتے تھے باہم
بڑے چھوٹے بہم کرتے تھے ماتم

نماز اُس کے جنازے کی پڑھے جب
چلے لے سُوے مرقد شاہ کو تب

بڑی مسجد[1] میں ہی ہڈواڑہ[2] اُس کا
ہوا مدفون اسی باعث سے اُس جا

بن اُس کے پہلوئے مادر تھا خالی
کیا جا اُس میں جا کر شاہِ عالی

یہاں پہلو میں ماں کے جیوں تھا سوتا
اسی ڈھب سے وہاں بھی سو گیا جا

پھرے مدفون کر جب خلق اس کو
جہان ویران نظر آتی تھی ہر سُو

کیا مرقد میں اُودھر اپنی منزل
اِدھر عالم کو چھوڑا کر کے بسمل

شراب ایسی پلا دے مجھ کو ساقی
نہ ہو تا تشنگی کچھ مجھ کو باقی

کیا میں ختم اب احوالِ ماتم
نہ ہووے طول تا یہہ قصۂ غم

مرے یک مہربان ہیں رحم فرما
اُنھوں کا مجھ پہ بابِ لطف ہی وا

محمد شاہ اُن صاحب کا ہی نام
اُنھوں کو ہی مروت سے سدا کام

محمد شاہ تیہو لفظِ غلام اب
لگا دے تا عیاں ہو سارا نام اب

---

[1] مسجد والا جاہی [2] آبائی قبرستان

ہمیشہ مثلِ طوطی ہیں شکر خا خدا اُن کی صدا پر دل ہی سب کا
ضیاءُ الدین صاحب کے ہیں فرزند کمندِ خُلق میں اُن کے ہی دل بند
نہی ہندی فارسی میں خوب ہیں طاق ہیں پلے ثنک معدنِ الطافِ اتفاق
ہیں کرتے بندگی حق کی سحر شام تلاوت سے ہمیشہ اُن کو ہی کام
کرے گُل شاخ خامہ اُن کا جب کل فدا شیراز کی اس پر ہو بلبل
کہے مجھہ کو کہ لکھہ کچھہ حالِ اعظم رہے تا نام تیرا نت بعالم
سُنا جب حکم اُن مشفق کا خوش ہو دِیا میں انتظام اس مثنوی کو

مرے سے مثنوی آخر ہوی جب
رکھا نام اِس کا اعظم نامہ میں تب

تمت تمام شد

قطعۂ تاریخ از محمد سرور حسین صاحب فرزند اکرام الدولہ بہادر مرحوم المتخلص بہ اکمل

جس دم ہم سے مثنوی کتیں جو بہر کیا تصنیف با ہزار ادا
سالِ تاریخ اس کا یوں اکمل واہ کیا خوب مثنوی ہی کہا
۱۲۷۲

قطعۂ تاریخ از سید عبد اللطیف صاحب المتخلص بہ لطف

سُنا میں مثنوی جو ہر سے جس دم ہوا دل کو نہایت درد حاصل
کیا اس مثنوی کی سال کی فکر تو یہہ افسانۂ غم ہی کہا دل
۱۲۷۲

کتابیات

- فارسی مطبوعات -

اعظمؔ، نواب محمد غوث خاں بہادر	تذکرہ صبح وطن	مدراس ۱۸۴۲ء
"	تذکرہ گلزار اعظم	مدراس ۱۸۵۵ء
"	بہارستان اعظم	مدراس ۱۸۸۳ء
"	سفینۃ النجات	مدراس ۱۹۵۰ء
برہان خاں ہانڈی	توزک والاجاہی	مدراس
جوہرؔ، قادر حسین	مثنوی شب شہان	بلٹن گورنمنٹ اورینٹل
	مثنوی جوہر	منسکرپٹ لائبریری مدراس ۱۹۵۶ء
"		
خیر الدین احمد	اساس ریاست کرناٹک	حیدرآباد
سید مرتضیٰ بینش	اشارات بینش	مطبوعہ مدراس و دہلی
محمد کریم خیر الدین	سوانحات ممتاز	مدراس ۱۹۶۱ء

- اردو مخطوطات -

الفتؔ، محمد علی	مثنوی گلزار اعظم	اورینٹل منسکرپٹ لائبریری۔ حیدرآباد
جوہرؔ، قادر حسین	مثنوی اعظم نامہ	عطیہ جناب صفی الدین محمد ایم اے (عثمانیہ)
علیؔ، غلام علی	مثنوی تحفۃ الاعظم	کتب خانہ عثمانیہ یونیورسٹی
نادرؔ	مثنوی نادر	ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد

- اردو مطبوعات -

افضل الدین اقبال، ڈاکٹر مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما حیدرآباد ۱۹۷۹ء

سروری، پروفیسر عبدالقادر اردو کی ادبی تاریخ حیدرآباد ۱۹۵۸ء

سیدہ جعفر پروفیسر دکنی نثر کا انتخاب ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۳ء

صفی الدین مولوی تبصرہ بر ملک کرناٹک (مارکویس آف ڈلہوزی) ۱۹۲۲ء

عبدالستار دلوی، پروفیسر اردو میں لسانیاتی تحقیق۔ بمبئی ۱۹۷۱ء